محمد بن عبد الوہاب

ایک مظلوم اور بدنام مصلح

مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ

محمد بن عبد الوہاب

ایک مظلوم اور بدنام مصلح

جس میں بارہویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کی سیرت اور دعوت پر تحقیقی روشنی ڈالی گئی ہے، اور غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی تردید کی گئی ہے اور جس میں مشرق و مغرب کے تمام مآخذ کو پوری طرح کھنگال کر اُن پر بے لاگ تنقید کی گئی ہے۔

تالیف

مسعود عالم ندوی

ٹائپنگ:

ابو فاطمة الزهراء الحسيني

عرض مؤلف

زیر نظر کتاب کی ترتیب کا کام عاجز نے شوال 1359ھ (نومبر 1940ء) ہی میں شروع کر دیا تھا، لیکن ملازمت کی مشغولیت کے باعث زیادہ وقت نہ دے سکتا تھا، تاہم آہستہ آہستہ کام ہوتا ہو گیا اور شوال 1360ھ (نومبر 1941ء) میں کتاب کا خاکہ تیار ہو گیا، مگر کتابوں کی کمی کے باعث مسودہ مکمل کرنے کی ہمت نہ ہوئی، اور جب کچھ لکھا، تو کچھ اور کتابوں کے ملنے پر کافی اصلاح و ترمیم کی ضرورت پڑی۔ پھر بھی انتہائی تلاش و جستجو کے باوجود بعض ضروری اور اہم کتابیں نہ مل سکیں جن کا ذکر مآخذ کے ضمن میں آگیا ہے۔

جن بزرگوں اور دوستوں نے کتابوں کی فراہمی اور اُن کا پتہ دینے میں ہماری مدد کی، ہم اُن کے شکر گزار ہیں۔ اس سلسلے میں خاص طور پر جناب ڈاکٹر عظیم الدین صاحب پٹنہ، پروفیسر سید حسن عسکری پٹنہ، مولانا عبدالرحمٰن کاشغری ندوی، کلکتہ، مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی، لاہور ڈاکٹر شیخ محمد عنایت اللہ صاحب لاہور، ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب، حیدرآباد، شرف الدین واولادہ، بمبئی، مولانا عبدالحمید صاحب حریری، بنارس، پروفیسر محمد اکبر ندوی، کلکتہ یونیورسٹی، حکیم حافظ یوسف حسن خان صاحب، بہار شریف پٹنہ کا دِلی شکریہ ادا کرنا میرے لئے ایک خوشگوار فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے، کہ اگر ان بزرگوں اور دوستوں کی مدد نہ ہوتی، تو متعدد کمیاب اور نایاب کتابوں کا جمع کرنا میرے لئے دشوار ہوتا۔

اس موقع پر ایک نجدی عالم شیخ محمد عمران بن محمد بن عمران (ساکن ریاض۔ نجد) کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، جنھوں نے بمبئی میں اس کتاب کی تالیف کا حال سن کر پہلے سلام محبت سے یاد کیا، پھر بنارس ہوتے ہوئے پٹنہ تشریف لائے اور دو دن غریب خانہ کو رونق بخشی۔ وہ اوسط درجہ کے پڑھے لکھے آدمی تھے، لیکن شیخ ابن عبدالوہابؒ کے ساختہ وپرداختہ نجد کے ایک فرد وہی اتباع سنت، وہی تقویٰ، وہی جوش و عمل جو اس جماعت کا طرہ امتیاز سنتے آئے ہیں، کم از کم ہندوستان میں اس درجے کے اشخاص بہت کم دیکھنے میں آئے۔۔۔ان سے ہمیں بہت مدد ملی۔ متاخرین علمائے نجد کے سنین وفات کی تعیین انہوں نے اپنے حافظہ سے کی اور پورے یقین کے ساتھ پھر بھی جہاں کہیں، ہم نے ان کی روایت پر اعتماد کیا ہے، حوالہ دے دیا ہے۔

کتاب کے مطالعے کے دوران مندرجہ ذیل گزارشات پیش نظر رہیں، تو راقم کی ممنونیت کا باعث ہوگا۔

(1) حوالوں میں طوالت سے بچنے کے لئے بسااوقات صرف مصنف کے نام پر اکتفا کیا گیا ہے، کتابوں کی تعیین مآخذ سے ہو سکے گی۔

(2)ہجری اور عیسوی سنین کے تطابق کی متعدد بھر کوشش کی گئی ہے، لیکن جہاں ٹھیک ٹھیک دن اور ماہ کی تعیین کے ساتھ تاریخ نہیں معلوم ہو سکی ہے، وہاں ہجری سنہ کے مقابلے میں دو عیسوی سنہ دیئے گئے ہیں۔

جہاں کہیں ''شیخ الاسلام'' اور ''شیخ'' کے لفظ بلا کسی نام کے آئے ہیں وہاں مراد شیخ محمد بن عبدالوہابؒ ہیں۔اسی طرح آل الشیخ سے اُن کی اولاد و احفاد مراد ہیں۔ گو اس جماعت کے لٹریچر میں شیخ الاسلام کا لقب عام طور پر امام ابن تیمیہؒ (ف728ھ) کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

(3)عربی اور انگریزی عبارتوں کے تگرجمے اور اقتباس میں حرف بحرف لفظی ترجمہ کا التزام نہیں کیا گیا ہے، البتہ اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ اصل کا مفہوم ترجمہ یا اقتباس میں ٹھیک ادا ہو جائے۔

(4)یورپی اعلام کے تلفظ میں غلطی کا امکان ہے، اگر کہیں ایسی چوک یا لغزش نظر آئے، تو راقم کو مطلع فرما دیا جائے، تصحیح کسی قسم کی بھی ہو، انتہائی شکریے کے ساتھ قبول کی جائے گی۔

مسعود عالم ندویؒ

ذاتی حالات

جزیرۃ العرب مسلمانوں کے دورِ عروج میں

عرب کے ریگستانوں نے گو لیل و نہار کے ہزاروں تماشے دیکھے، مگر شاید اس تماشے سے بڑھ کر کوئی تماشہ نہ ہوگا کہ تاریک ذروں نے ایک چمکتے سورج (وجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے پرتو سے روشن ہو کر ساری دنیا کی آنکھوں کو اپنی چمک دمک سے روشن کردیا، دشت و جبل اور بحر و بر کو منور کرچکے، خود ایسے ماند پڑگئے کہ دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے، یہ کیوں؟ اس لئے کہ اِن قوموں نے جو اس نور سے منور ہوئیں، یہ سمجھا کہ ان ریگستانی ذروں کی تابانی کے مقابلے میں ان کی چمک اور تابانی نگاہوں کو خیرہ نہ بناسکیں گی، اس لئے ان کا تاریک اور ماند ہی رہنا اچھا ہے[1]۔

یوں تو بنوامیہ کے بدورِ حکومت ہی میں حجاز کی مرکزیت ختم ہوچکی تھی، دمشق کے شاطروں نے حرمین کو پیرزادوں کی خانقاہ بنادی۔اور پھر ابو مسلم خراسانی کی تلوار نے عربوں کی سیاسی قسمت ہی کا فیصلہ کردیا (132-ھ) اور جو عباسی سلطنت اس کے بل بوتے پر قائم ہوئی رفتہ رفتہ عجمی شہنشاہی بن گئی، معتصم 218ھ(833ء تا 227،882 ھ) کے دور میں ترکوں نے زور پکڑا، اور پھر تخت و تاج نے ان کے قدم لئے۔نزدیک اور دور بیسیوں سلطنتیں بنیں اور بگڑیں، پر غریب عرب کا اس تگ و تاز میں کوئی حصہ نہ تھا۔مسلمانوں کے عروج کی ان صدیوں میں بغداد اور قرطبہ کی علمی درسگاہیں قائم ہوئیں، ازہر (مصر) زیتونہ (تونس) قرویین (فاس) کی مسجدوں سے علم و عمل کے چشمے جاری ہوئے۔ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا، سلیمان اعظم (926ھ ، 1520ء) - 974ھ ، 1566ء) نے چائنا کی دیوار ہلادی۔مغلوں نے ہندوستان کو زیروزبر کیا لیکن عرب کا شُتربان اپنے صحراء میں آرام کی نیند سوتا رہا۔عثمانی ترکوں نے حجاز پر صدیوں حکمرانی کی۔لاکھوں کروڑوں کے چڑھاوے دئے مصر کے خراج کا بیشتر حصہ حرمین کی خدمت کے لئے وقف رہا۔مجاوروں اور متولیوں کے لئے بیش قرار وظیفے مقرر کئے۔ پر عرب کی وادی غیر ذی زرع میں کہیں علم کا چشمہ جاری نہ ہوا۔دفتروں کی زبان ترکی رہی۔اللہ اکبر!! خلیفۃ المسلمین کی حکومت اور مہبطِ وحی میں غیر قرآنی زبان کا چلن! عبرت کا مقام ہے! اس ذلیل دنیا اور بادشاہی نے

---

1 سید سلیمان ندوی ، معارف، نومبر 44ء

کیا کیا نہیں کرایا؟ ہاں سرکاری زبان ترکی رہی، افسر ترکی رہے عرب۔تو مزاروں کی مجاوری اور گداگری، یا پھر ایام جاہلیت کے نمونے پر لوٹ کھسوٹ اُن کا کام رہ گیا تھا۔

محمد بن عبدا لوہاب رحمہ اللہ

بالآخر جب دنیا پھر تاریکی میں مبتلا ہوگئی، مسلمان کتاب و سنت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے۔ایک اللہ کی جگہ سینکڑوں معبود بنا لئے گئے۔مصر میں بدوی و رفاعی، عراق و ہند میں عبد القادر جیلی، مکہ و طائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما، یمن میں ابن علوان سے مرادیں مانگی جانے لگیں[1]۔

اور مسلمان ہر شجر وحجر کے آگے جھکنے لگے۔جب یہ حالت ہوگئی، تو پھر اسی بے آب وگیاہ سرزمین پر پہلے پہل تذکیر و ہدایت کا آفتاب ضوفگن ہوا، اور خاکِ عرب کے وہ ذرے جو جہل و شرک کی طغیانی کے باعث ماند پڑ گئے تھے، پھر چمک اُٹھے۔اور نجد کے چمنستان سے جو اپنے عرار و خزامی[2] کی عطر بیزی کے لئے مشہور ہے توحید و کلمۂ حق کی ایسی خوشبو پھیلی، جس نے تمام عالم کو زعفران زار بنا کر چھوڑا۔میری مراد شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب (رحمہ اللہ ونوّر ضریحہ) کی ذات گرامی سے ہے، جنہوں نے اپنی مسلسل اور انتھک کوششوں سے توحید کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، اور جہاں تک اس مرد مجاہد کی آواز پہنچ سکتی تھی، اس نے حق و صداقت کا پیغام پہنچایا۔

ابن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی پیدائش کے وقت دنیائے اسلام کی حالت

یوں تو اسلامی دنیا کا فکری زوال آٹھویں صدی ہجری کے اختتام پر اپنی آخری حد کو پہنچ چکا تھا۔اجتہاد و نظر کے دروازے عرصہ ہوا بند ہوچکے تھے۔متاخرین کے متون و حواشی اور منہیات علما کے زیر درس تھے۔عملی حالت اس سے بھی زیادہ گری ہوئی تھی۔لیکن بارہویں صدی ہجری کے آغاز میں یہ انحطاط اس حد کو پہنچ چکا تھا کہ غیر مسلم بھی عہدِ صحابہ کے حالات سے اِس دور کے مسلمانوں کا موازنہ کرتے، تو انہیں تعجب و افسوس ہوتا۔امریکی اہل قلم اسٹاڈرڈ کے بیان کے مطابق:

> مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا۔تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا۔مسجدیں ویران اور سنسان پڑی تھیں۔جاہل عوام ان سے بھاگتے تھے،

اور تعویذ گنڈے اور مالا میں پھنس کر گندے فقیروں اور دیوانے درویشوں پر اعتقاد رکھتے، اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے، جن کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع اور ولی کے طور پر کی جاتی تھی۔کیونکہ ان جاہلوں کا خیال تھا کہ خدا کی برتری کے باعث وہ اس کی اطاعت بلا واسطہ ادا نہیں کرسکتے۔قرآن کی تعلیم نہ صرف پسِ پشت ڈال دی گئی تھی، بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔یہاں تک کہ مقاماتِ مقدسہ (مکہ و مدینہ) بد اعمالیوں کا مرکز بن گئے تھے۔اور حج جس کو رسول اللہ نے فرائض میں داخل کیا تھا بدعات کی وجہ سے حقیر ہوگیا تھا۔فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر دنیا میں آتے، تو وہ اپنے پیروؤں کے ارتداد اور بُت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے[3]۔

ایک غیر مسلم مبصر کے اس تیار کردہ خاکے میں مسلمانوں کے جو خط و خال نظر آتے ہیں وہ آج بھی بڑی حد تک صحیح ہیں یا نہیں؟ امیر شیکب ارسلان کی رائے میں بڑے سے بڑا دقیق النظر عالم بھی بارہویں صدی کے مسلمانوں کی اس سے زیادہ صحیح اور واضح تصویر نہیں کھینچ سکتا[4]۔

طولِ کلام اگر بار نہ ہو، تو اپنی بدنصیبی کی مزید داستان ایک دوسرے مغربی مبصر کی زبانی بھی سن لیجئے:-

اٹھارویں صدی میں مسلمانوں کا جوش سرد تھا، نام نہاد خلیفہ کی ساکھ گرچکی تھی اور مقبوضہ کے جنوب میں اطاعت تسلیم بھی نہیں کی جاتی تھی۔یمن ایک صدی پہلے یہ جُوا اپنی گردن سے اُتار چکا تھا۔مکہ کے اشراف عیسائیوں کی نسبت اپنے سردار کی مخالفت میں زیادہ سرگرمی دکھانے کو تیار تھے۔یہ یکجہتی جو آج دکھائی دیتی ہے، اُس وقت اس کا احساس بہت کم تھا، اور روحانی مرکز مکہ مادی عیش و آرام کا شکار ہوچکا تھا۔اور تقویٰ و زُھد کے علاوہ وہاں ہر چیز کے لئے رواداری موجود تھی۔حالانکہ ہندوستان میں عیسائیوں کی فتح نگاہوں کے سامنے تھی، اور یورپ میں بھی غیر مسلم طاقتیں ترکوں کا پانسہ پلٹ رہی تھیں، لیکن عرب میں ان واقعات کا بہت کم احساس تھا، اور یہ عام غیض وغضب جس کا مظاہرہ[5] آج فرانس، برطانیہ اور روس کے خلاف کیا جارہا ہے، اس وقت بالکل مفقود تھا۔جہاں غصہ نہیں وہاں جوش نہیں چہ جائیکہ تبلیغی کوششیں ہوں۔(خلاصہ

یہ کہ) اس وقت اسلام کا رخ تنزل کی طرف تھا، اور یہ تجدد جس کی لہر انیسویں صدی عیسوی میں افریقہ اور چین تک پہنچ رہی تھی اس وقت کی پیش بینی نہیں کی جاسکتی تھی[6]۔

نجد ابن عبد الوہاب سے پہلے

بارہویں صدی ہجری کے آغاز میں اسلامی دنیا اور مقامات مقدسہ کا جو حال تھا، اس کا ہلکا سا اندازہ اوپر کے بیانات سے ہوا ہوگا لیکن جزیرۃ العرب کے قلب (نجد) کی حالت اور بھی خراب تھی۔کم سے کم جو کہا جاسکتا ہے، وہ یہ کہ اہلِ نجد اخلاقی انحطاط میں حد سے گزر چکے تھے، اور ان کی سوسائٹی میں بھلائی، برائی کا کوئی معیار نہیں قائم رہا تھا۔مشرکانہ عقیدے صدیوں کے تسلسل سے اس طرح دلوں میں گھر کر چکے تھے، کہ ایک بڑا طبقہ انہی خرافات کو دین صحیح کا نمونہ جانتا تھا، اور غلط یا صحیح وہ اپنے آبا ؤ اجداد کی روش سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

جبیلہ (وادی حنیفہ) میں زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قبر کی پرستش ہوتی تھی۔درعیہ میں بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام سے منسوب قبریں اور قبے عوام کی جاہلانہ عقیدت کے مرکز بنے ہوئے تھے۔وادی غبیرۃ میں ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کا قبہ بدعتوں کی نمائش گاہ بن رہا تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بلیدۃ الفدا میں ایک پرانے درخت کے ساتھ جوان مرد اور عورتیں جو سلوک کرتی تھیں، ان کے بیان سے زبانِ قلم قاصر ہیں۔ خلاصۃ یہ کہ مایوس عورتیں مایوس عورتیں اولاد کی تمنا میں اس درخت سے ہمکنار ہوتیں نیز درعیہ کے پاس ایک غار تھا، جہاں حد درجہ شرمناک برائیاں ہوتی تھیں[7]۔

یہ سب کچھ دین اور مذہب کے نام پر ہوتا تھا، اور جو دو چار اشخاص فقہ و حدیث سے بہرہ ور تھے، وہ اپنے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہمت نہیں پاتے تھے، آخر علمائے نجد دنیا کے علماء سے الگ تو نہیں تھے!!

سیاسی حالت اور خراب تھی۔خانہ جنگی اور بد حالی عام تھی، شمالی نجد (جبل شمر) قبیلہ طے اور حسا میں بنو خالد کا زور تھا۔اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عیینہ کی امارت حسا کے بنو خالد کا اقتدار مانتی تھی۔درعیہ میں قبیلہ عنزہ کے قدم جم رہے تھے۔درعیہ سے قریب منفوحہ میں دواس کی الگ امارت قائم ہوگئی تھی، نجد کا چھوٹا سا علاقہ چھوٹی[8] چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔

خاندان

اس پرآشوب دور اور ناموافق ماحول میں محمد بن عبد الوہاب نے آنکھیں کھولیں۔عیینہ [9] کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔1115 ہجری 1703ء ان کے جد امجد سلیمان بن علی بن مشرف [10](1079ء) اپنے زمانہ کے مشہور عالم اور علمائے نجد کے مرجع و ماویٰ تھے،مناسک میں ان کی کتاب مشہور ہے، اور السحب الوابلہ کے بیان کے مطابق مناسک کے باب میں عام طور پر حنابلہ اسی پر اعتماد کرتے ہیں[11] مناسک میں ان کی کتاب مشہور ہے، اور السحب الوابلہ کے بیان کے مطابق مناسک کے باب میں عام طور پر حنابلہ اسی پر اعتماد کرتے ہیں (ص:103) ان کے چچا ابراہیم بن سلیمان بھی ممتاز عالم تھے۔ابراہیم کے بیٹے عبد الرحمٰن (ف 1206ھ) بھی فقیہ و ادیب تھے۔شیخ کے والد عبد الوہاب ابن سلیمان (ف 1153ھ) بھی فقہ میں دخل رکھتے تھے، اور ایک عرصہ تک عُیَینہ اور حریملا میں عہدہ قضا پر مامور رہے۔سلیمان بن عبد الوہاب (ف 1208ھ) میں مصری غارتگری کے وقت وہ حریملا میں موجود تھے، محبوس کئے گئے اور طرح طرح کی سختیوں سے دوچار ہوئے۔ان کا کتاب خانہ نذر آتش کیا گیا، اور مال و اسباب لوٹ لیا گیا[12]۔

نشو و نما

محمد بن عبد الوہاب آغاز طفولیت ہی سے ذہانت اور قوت حافظہ میں ممتاز تھے۔دس برس کی عمر سے پہلے قرآن مجید کے حفظ سے فارغ ہوگئے۔اپنے والد سے فقہ حنبلی کی کتابیں پڑھیں اور بچپن ہی میں حدیث وتفسیر کی کتابیں کثرت سے مطالعہ کیں۔ان کے والد عبد الوہاب ہونہار لڑکے کی ذہانت اور استعداد سے متعجب ہوتے۔ان کا بیان ہے کہ محمد کی تدریس کے دوران میں وہ خود بھی اپنے ہونہار بچے کی ذہانت اور وسعتِ معلومات سے مستفید ہوئے۔شیخ عبد الوہاب اپنے بیٹے کے علم سے اس قدر متاثر تھے، کہ نوعمری کے باوجود انہیں امامت کے لئے آگے بڑھاتے۔کم سنی ہی میں شادی ہوئی، اور فریضہ حج سے مشرف ہوئے۔مدینہ منورہ میں دوماہ قیام کے بعد عیینہ واپس ہوئے، اور اپنے والد ماجد سے تحصیلِ علم میں مصروف ہوگئے۔یاد داشتیں اور علمی کتابیں نقل کرتے ہیں اتنی محویت ہوئی کہ ایک ایک نشست میں بیس بیس صفحے لکھ جاتے[13]

علم کی راہ میں

ابن عبد الوہاب رحمہ اللہ قدرت کی طرف سے غیر معمولی حساس دل لے کر آئے تھے۔اپنے اردگرد نجد کے شہروں اور بستیوں کا حال دیکھ دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوتے۔عام لوگوں کا ذکر ہی کیا، خود اہل علم کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔محمد اپنے والد عبد الوہاب سے، جو نجد کے علماء میں ممتاز تھے، جو کچھ حاصل کرسکتے تھے، اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔لیکن ہونے والے مصلح اور مجدد کی پیاس دو چلو پانی سے کس طرح بجھ سکتی تھی؟ حج سے مشرف ہوچکے تھے، حجاز کی مرکزیت دل میں گھر کرچکی تھی۔طلب علم کا خیال آتے ہی حجاز کا ارادہ ہوا۔پرُ جوش نوجوان کی عمر کوئی بیس برس کی ہوگی، کہ لیلائے علم کے شوق میں اُس نے دشت نوردی کی ٹھانی اور حجاز کا رُخ کیا[14]۔

دوبارہ حج بیت اللہ اور مسجد نبوی کی زیارت سے مشرف ہوکر علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحصیل علم میں منہمک ہوگئے۔خاص طور ہر نجد کے مقام مجمعہ کے ایک مشہور عالم عبد اللہ بن ابرہیم بن سیف (جو جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جاکر بس گئے تھے) کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔

شیخ عبد اللہ بن ابراہیم نجدی (مدنی) کی جلالتِ قدر اور اخلاص کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جو خود شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی زبانی منقول ہے۔شیخ کہتے ہیں:

> ’’میں ایک دن ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کہ انہوں (عبد اللہ بن ابراہیم) نے فرمایا: تمہیں وہ ہتھیار دکھاؤں، جو میں نے اہل مجمعہ کے لئے تیار کیا ہے؟ میں نے کہا ضرور۔تو مجھے وہ ایک کمرے میں لے گئے، جہاں کتابوں کا انبار تھا، اور بولے ہم نے ان لوگوں کے لئے یہی ہتھیار فراہم کئے ہیں‘‘[15]

شیخ عبد اللہ بن ابراہیم ہی کے توسط سے شیخ محمد حیات سندھی [16](ف 1165ھ) سے تعارف حاصل ہوا، جو اس وقت مدینۃ الرسول میں حدیث و سنت کے مسلم استاذ تھے۔ابن عبد الوہاب رحمہ اللہ ان کے مخصوص شاگردوں کے حلقے میں داخل ہوگئے اور عرصہ تک خدمت میں حاضر رہے۔اسی سلسلہ میں شام کے نامور عالم شیخ علی داغستانی (ف 1199ھ) سے بھی ابن عبد الوہاب کی شاگردی کا ذکر کیا جاتا ہے، جو قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا[17]

اسی طرح مدینہ منورہ کے مشہور محدث محمد بن سلیمان کردی مدنی (ف 1194) سے بھی استفادہ کا ذکر بعض تاریخوں میں آتا ہے، لیکن مُستند اور معاصر تاریخوں کی خاموشی کے علاوہ سنین اور واقعات بھی اس کے خلاف شہادت دیتے ہیں [18]

استاد محترم مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ (سلاطینِ نجد کا مذہب، معارف نومبر 24ء) نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (ف 1176ھ) اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ دونوں کا منبع فیض ایک (مسجد نبوی) بتایا ہے۔ اصلی سرچشمہ (کتاب وسنت) کے اتحاد کے ساتھ ساتھ درس گاہ (مسجد نبوی) کے ایک ہونے میں بھی شبہ نہیں، لیکن استاد کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا۔

لیب بَنتونی (الرحلة الحجازية: صفحہ 87) نے مکہ مکرمہ میں تحصیل علم کا ذکر کیا ہے، لیکن کسی مستند روایت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

مدینہ منورہ سے شیخ نے بصرہ کا قصد کیا اور وہاں شیخ محمد مجموعی سے حدیث ولغت کا درس لیا، اور ان کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے۔ ابن بشر نے اپنے استاد عثمان بن منصور ناصری سے روایت کی ہے، کہ شیخ محمد مجموعی کی اولاد بھی علم و عمل میں ممتاز حیثیت رکھتی تھی [19] ۔ شام [20] کا بھی ارادہ رکھتے تھے، لیکن زادراہ کی کمی کے باعث کامیاب نہ ہوئے اور احساہو کر حریملا (نجد) لوٹ آئے، جہاں اُن کے والد 1139ھ – 1726ء میں عُیَینہ سے منتقل ہو چکے تھے۔

دعوت و تبلیغ

ابن عبدالوہاب بچپن ہی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف مائل تھے۔ ابھی وہ عُیَینہ میں فقہ وحدیث کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے، کہ بدعات ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگے، اور جہاں کوئی عمل اصولِ دین کے خلاف پاتے فوراً نہی عن المنکر کے فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرتے۔

مدینہ منورہ میں محمد حیات سندھی اور علی بن ابراہیم بن سیف نجدی سے استفادہ کے بعد حدیث پر نظر ہوئی، اور پھر چاروں طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا، تو انہیں دنیا کی گمراہی کی سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی نظر آئی۔ جہاں تک پتہ چلتا ہے شیخ نے سب سے پہلے اسی زمانہ میں "استغاثہ" کے خلاف آواز بلند کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر کے پاس جاہلوں کی حرکتیں دیکھ کر ان سے ضبط نہ

ہو سکا۔ ایک مرتبہ وہ حجرۂ نبوی کے پاس کھڑے تھے،اور ان کے سامنے بدعات کا بازار گرم تھا۔ اتنے میں اُن کے استاذ محمد حیات سندھی آگئے، شیخ نے پوچھا:

"ان لوگوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟"

اُستاد نے جواب دیا: إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ[21]

بصرہ میں یہ جذبہ اور تیز ہو گیا۔ نہی عن المنکر بلاخوف کرتے، جس کی پاداش میں انہیں طرح طرح کی تکلیفیں جھیلنا پڑیں۔ اور آخر بصرہ چھوڑنا پڑا۔ یہی نہیں بلکہ ان سے تعلق اور ہمدردی کے جرم میں شیخ محمد مجموعی کو بھی ستایا گیا۔ بدبختوں نے انہیں ٹھیک دوپہر کے وقت نکالا۔ بیچارے اسی حال میں زبیر [22] کی طرف جارہے تھے کہ راستے ہی میں پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ آخر ایک باخدا انسان ابو حمیدان نامی نے (جو کرایہ کے گدھے رکھتا تھا) دستگیری کی اور پیاس بجھائی، نیز اپنے گدھے پر سوار کر کے زبیر پہنچادیا[23] یہ سب دعوت کی ابتدائی منزلیں تھیں اور تمہیدی کام تھے۔ حریملا واپسی کے بعد انہوں نے بدعات کے استیصال اور توحید و اخلاق کے عام کرنے کا مُصمّم ارادہ کر لیا۔ دعوت کی بنیاد توحید کی پاکیزگی پر رکھی۔ اور عبادت کسی قسم کی ہو، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص کرنے پر زور دیا۔ کلمہ لاالٰہ الا اللہ کا بول بالا، ان کا شعار تھا۔ صدیوں کے بگڑے ہوئے اخلاق کی اصلاح کا بیڑہ اٹھانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ وہ بدوؤں سے چوری، رہزنی، مکاری، لوٹ مار کی بُری عادتیں چھڑا کر ان میں راست بازی اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرنا چاہتے تھے۔ جاہلوں کے غلط عقیدوں کی اصلاح، معبودان باطل، قبّہ و قبر سے ہٹا کر پھر معبود حقیقی کی درگاہ میں لا کھڑا کرنا ان کا مقصود تھا۔ پر یہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کے لئے ایمانِ خالص اور سچی عزیمت کی ضرورت تھی۔ اس راہ میں شیخ کو جن صبر آزما مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا اور جس خندہ پیشانی کے ساتھ انہوں نے اس راہ کی تکلیفوں کا استقبال کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان اوصاف سے پوری طرح متصف تھے۔

توحید کی دعوت دی، غیر اللہ کے آگے سر خم کرنے، قبروں ولیوں سے مدد مانگنے، نیکوکار بندوں کو معبود ثانی بنانے سے روکنے کی کوشش کی۔ قبروں کی زیارت میں مسنون طریقہ کے خلاف جو بدعتیں رائج ہو گئی تھیں، ان کو مٹانے کو عملی قدم اٹھایا۔ بس پھر کیا تھا، مخالفت کا سیلاب امنڈ آیا۔ اعزہ واقربا درپے آزار ہو گئے۔ خود باپ کو بھی یہ ادا پسند نہ آئی۔ شیخ نے باپ کے ادب اور استاذ کی عزت کا پورا لحاظ رکھا، پر جو قدم آگے بڑھ چکا تھا، وہ پیچھے نہ ہٹا۔ ایذارسانی حد سے بڑھ گئی، پر صبر و عزیمت کا کوہ وقار اپنی جگہ سے نہ ٹل

سکا۔ تمام رکاوٹوں کے باوجود انہوں نے اپنی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا،اور عارض کے تمام قصبات حریملا، عُیَینہ ،درعیہ، ریاض وغیرہ میں ان کی شہرت پھیل گئی۔اور تعلیمات کی اشاعت ہونے لگی۔

تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا، لیکن والد ماجد کی سرد مہری کے باعث رفتار سست تھی۔ 1153ھ/1740ء میں والد کا انتقال ہوا، تو پھر دعوت و تبلیغ میں گرمی پیدا ہوگئی۔ علی الاعلان اتباعِ سنت اور ترکِ بدعات کا وعظ کہنے لگے، حریملا کے کچھ لوگ متاثر ہوئے،اور تحریک کے پُرجوش معاون بن گئے، شیخ کے درس میں حاضر ہونے لگے،اور ان کے مواعظ سے مستفید ہوئے، شیخ کی مشہور تالیف کتاب ''التوحید''اسی دوران میں تالیف ہوئی [24]

عُیَینہ میں 1157ھ/1744ھ

دعوت و تبلیغ کی ابتدائی منزلیں طے کرنے پر شیخ کو احساس ہوا کہ اس افراتفری میں، کہ ہر ناحیہ [25] کا حاکم الگ ہے کامیابی دشوار ہے۔ خود حریملا میں دو خاندان (قبیلہ) سرداری کے لئے دست گریباں تھے [26]

اِن حالات میں کوئی مؤثر قدم اٹھانا مشکل تھا۔انہوں نے پورے نجد کو ایک امیر اور ایک جھنڈے کے نیچے جمع کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ سمجھے تھے، کہ کسی امیر (حاکم صاحبِ نفوذ و قوت) کی ہمدردی حاصل کئے بغیر دعوت کو دور و نزدیک جلد از جلد پھیلانا آسان نہیں۔ ان خیالات کے پیش نظر انہوں نے عثمان بن معمر امیر عُیَینہ سے خط و کتابت کی۔اور امیر کو قبول حق پر آمادہ پاکر خود بھی عُیَینہ منتقل ہوگئے۔امیر نے اچھی طرح آؤ بھگت کی اور شیخ کو سر آنکھوں پر بٹھایا، جوہرہ بنت عبداللہ بن معمر سے شیخ کی شادی ہوئی، جس سے ظاہری طور پر تعلقات زیادہ مستحکم ہوگئے۔ شیخ کے سامنے ایک متعین مقصد تھا۔ذاتی اور خاندانی تعلقات حصولِ مقصد کا ذریعہ ہو سکتے تھے، خود مقصد نہیں تھے۔انہوں نے امیر عُیَینہ کے سامنے دعوت پیش کی، توحید کا مفہوم واضح کیا اور اس جلیل القدر مہم میں امداد و تعاون کی درخواست کی۔ شیخ کے یہ الفاظ یادگار اور قابل نقل ہیں [27]

انی ارجوا ان انت قمت ـ بنصر لا اله الا الله، ان يظهرك الله تعالیٰ، و تملك نجدا و اعرابها

اگر تم لاالٰہ الااللہ کی امداد کو آمادہ ہو جاؤ تو میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں غالب کردے گا اور نجد اور اہلِ نجد کی باگ تمہارے ہاتھوں میں ہوگی۔

عثمان کو یہ پیشکش صدقِ دل سے کی گئی تھی، پر افسوس کہ وہ اس پر قائم نہ رہا، جس کا خمیازہ اُسے بھگتنا پڑا۔ اور آخر کار یہ نعمت عُیَینہ سے درعیہ منتقل ہو گئی۔ بہر حال عثمان بن حمد بن معمر نے امداد کا وعدہ کیا، اور اس کی معاونت کے سہارے شیخ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کھلم کھلا دعوت دینا شروع کی، اور رفتہ رفتہ اہل عُیَینہ کے دل قبول حق کی طرف مائل ہونے لگے۔

شیخ نے اس اثناء میں بدعات کے بعض اڈوں کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا، جس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اس علاقہ میں بعض درختوں کی توقیر کی جاتی تھی، انہیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ زید بن خطاب رضی اللہ عنہ (جو یمامہ میں شہید ہوئے تھے) کے نام سے مقام جبیلہ میں ایک قبر تھی، اور اس پر قبہ، اس کا بھی خاتمہ کیا، جو اس وقت کے لحاظ سے کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ابنِ بشر اس قبہ کے انہدام کا واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے۔

> ''شیخ نے عثمان سے کہا: آؤ اب اس قبہ کو منہدم کر دیں جس کی بنیاد باطل پر رکھی گئی ہے، اور جس کی وجہ سے لوگ راہِ ہدایت سے بھٹک گئے ہیں''۔ عثمان نے کہا آپ ہی اسے ہدم کر دیں۔ ''شیخ نے فرمایا کہ ہمیں اہل جبیلہ سے خطرہ ہے، کہیں وہ ہمارے درپے آزار نہ ہو جائیں، آپ کی موجودگی کے بغیر میں ہدم نہیں کر سکتا'' اس پر عثمان چھ سو آدمیوں کے ساتھ چلا، قریب پہنچنے پر اہل جبیلہ نے بزور روکنے کا ارادہ کیا، لیکن جب انہوں نے عثمان کی طرف سے بھی پوری تیاری دیکھی، تو ہٹ گئے۔ اس پر عثمان نے شیخ سے کہا کہ ''ہم قبہ کو چھو نہیں سکتے''۔ اس پر شیخ نے ہتھوڑا لیا (فاس) لیا اور اپنے ہاتھ سے قبہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا، اور کامیاب واپسی ہوئی۔ اس رات کو اطراف و نواح کے جاہل بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہے تھے، کہ دیکھیں اس ''ناروا اقدام سے شیخ پر کیا مصیبت آتی ہے لیکن جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے، جب صبح ہوئی تو لوگ بہت مایوس ہوئے اور اہل حق کی ہمت بندھی۔ نیز کمزوروں کے ایمان میں تازگی آئی[28]۔''

یہ صرف ایک واقعہ کی تفصیل تھی۔ وہاں قدم قدم پر یہی دشواریاں تھیں۔ جاہلوں سے لے کر علماء اور مشائخ تک سب کے سب بدعات کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ یہ ابن عبدالوہاب کی آواز اور کوشش تھی، جس نے صدیوں کی تاریکی اور گمراہی کے بعد حق کا بول بالا کیا اور صحیح اسلامی تعلیم سے خلقِ خدا روشناس ہوئی۔

شیخ نے امیر عثمان بن معمر کو نماز باجماعت کے احیاء کی بھی تاکید کی اور متخلفین کے لئے سزائیں تجویز ہوئیں۔ حکام طرح طرح کے ٹیکس وصول کرتے تھے، شیخ نے تمام ٹیکس اڑا دئے اور صرف زکوٰۃ کا اجرا کیا۔ شیخ نے قیام عیینہ کے دوران ابن معمر کے ہاتھ سے یہ دو کام اچھے کرائے، لیکن ان کے دشمن اس میں بھی حرف نکالتے تھے۔

شیخ نے عیینہ ہی میں اپنے تبلیغی رسالوں کا سلسلہ شروع کیا، جو مرتے وقت تک جاری رہا، درعیہ میں ان کے ماننے والے کچھ پیدا ہو گئے تھے، انہی کے نام آپ نے عُیَینہ سے ہدایت نامے جاری کئے تھے [29]۔

عُیَینہ کے اخراج

عُیَینہ میں کامیابی قدم لینے کو تھی اور اصلاح کی مہم مکمل ہوتی جارہی تھی کہ قدرت نے ایک شر پیدا کیا، جس میں ہزاروں برکتیں پنہاں تھیں:

> ''ہونے والی بات، ایک عورت شادی شدہ گناہ کی مرتکب ہوئی اور اُس نے شیخ کے سامنے گناہ کا اعتراف بھی کر لیا۔ بارہا جرح کرنے پر بھی وہ اپنے اقرار سے نہ پھری۔ مجبوراً شیخ نے سنگ سازی کا حکم دیا، عثمان بن معمر نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ یہ فرض انجام دیا، سب سے پہلا شخص جس کا ہاتھ پتھر کی طرف بڑھا وہ عثمان تھا'' [30]۔

اس ''غیر متوقع حادثہ'' نے اطراف و جوانب میں تہلکہ پیدا کر دیا۔ خصوصیت کے ساتھ اُن حلقوں میں جو برائیوں کے خوگر تھے اور زیادہ کھلبلی مچی۔ بات لگانے والے سلیمان بن محمد عزیز الحمیدی (حاکم احسا و قطیف) کے دربار میں پہنچے اور اسے شیخ کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ یہ شخص نہایت رنگیلا اور آوارہ مزاج تھا۔ رجم کے واقعہ سے اس کا برہم ہونا بالکل متوقع تھا، کہنے والوں نے اس سے کہا کہ یہ شخص ابن عبدالوہاب تمہاری آزادیوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ بات لگتی ہوئی تھی، اس کے دل میں جم گئی اُس نے فوراً عثمان بن معمر امیر عُیَینہ کو تہدید آمیز انداز میں لکھا:

> ''یہ مطوع [31] جو تمہارے ہاں مقیم ہے، اس نے ایسے ایسے کام کئے ہیں، اُسے قتل کر دو، ورنہ تمہیں ہمارے ہاں سے جو کچھ ملتا ہے، وہ سب روک دیا جائے گا۔''

چونکہ وہ رقم کافی تھی، یعنی مال و متاع کے علاوہ بارہ سو دینار سالانہ، اس وجہ سے وہ ایسا متردد ہوا کہ دنیا کی طمع، توحید پر غالب آنے لگی ابھی اس کا سینہ دعوتِ توحید کا مجرم نہیں بنا تھا، نہ اُسے یہ معلوم تھا، کہ حق کا ساتھ دینے والوں پر غیب سے کیا کیا انعامات ہوتے ہیں؟ اسی حیص و بیص میں اس نے شیخ کو سلیمان حاکم احساء کے پیام کی اطلاع دی۔ شیخ نے اُسے تسلی دینا چاہی اور پورے یقین کے ساتھ اُسے سمجھانے کی کوشش کی ابن بشر کی زبانی شیخ کے یہ الفاظ سننے کے لائق ہیں:

اِنّ ھٰذا لذی اناقمت به ودعوت الیه کلمة لااله الاالله وارکان الاسلام والامربالمعروف والنھی عن المنکر فان انت تمسکت به انصرته فان الله سبحانه یظھرك علیٰ اعدائك فلایزعجك سلیمان ولا یفزعك[32]۔

''میں جو اس چیز کو لے کر کھڑا ہوا ہوں اور اس کی دعوت دی ہے وہ کلمہ لاالٰہ الااللہ ارکان اسلام اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر (کی دعوت) ہے، اگر تم اس کو مضبوط پکڑ لو اور اس کی مدد کرو، تو اللہ تعالی تمہیں تمہارے دشمنوں پر غالب کرے گا، سلیمان کی وجہ سے تمہیں پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔''

شیخ نے ہر طرح کی کوشش کی، پر جب زوالِ دنیا کا خوف قلب پر طاری ہو جائے تو پھر کوئی فہمائش کام نہیں کرتی شیخ کی مؤثر اور پُر امید نصیحت سے پہلی مرتبہ تو وہ رُک گیا لیکن پھر اس سے نہ رہا گیا، اور شیخ کے پاس دوبارہ کہلا بھیجا:

''سلیمان نے ہمیں آپ کے قتل کیا حکم دیا ہے اور ہم میں اس کے حکم سے سرتابی کی جراءت نہیں نیز یہ ہماری مروت سے بعید ہے کہ آپ کو اپنے گھر میں تہ تیغ کریں۔ اس لئے آپ آزاد ہیں ہمارا علاقہ چھوڑ دیں''۔ (عنوان صفحہ 11)

یہ پیام دیا، اور اپنے ایک سپاہی فرید الظفیری کی ہمراہی میں عُیَینہ کی حدود سے باہر کر دیا۔ اس ''اخراج'' کی داستان بھی بڑی عبرت انگیز اور پُر درد ہے۔ ریگستان عرب کی سخت دھوپ، شیخ آگے پیادہ پا، ہاتھ میں صرف ایک پنکھا، اور پیچھے پیچھے فرید گھوڑے پر سوار''۔ ابن بشر نے تو یہاں تک لکھا کہ ابن معمر نے درپردہ شیخ کے قتل کا بھی حکم مدے دیا تھا۔ شیخ آگے آگے **من یتقل الله یجعل له مخرجاًویرزقه من حیث لا یحتسب** کا ورد کرتے چلے جاتے تھے، سپاہی نے راستہ میں بات نہیں کی جب اُس نے قتل کا ارادہ کیا، تو خود اس کے بیان کے مطابق کسی غیبی طاقت نے اس کا ہاتھ روک لیا، اور اس پر رعب طاری ہو گیا۔ اور اسی عالم میں وہ اُلٹے پاؤں عیینہ کی طرف واپس ہو گیا، صداقت کا اُس پر کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ سچ مُچ اُسے اپنی جان خطرے میں نظر آنے لگی۔

درعیہ میں 8-1157ھ

ابن معمر کی حدود سے نکل کر شیخ نے درعیہ کا رُخ کیا اور عصر کے وقت وہاں پہنچے۔ وہ عبداللہ بن سویلم العرینی کے گھر اترے، اور پھر اپنے ایک شاگرد احمد بن سویلم کے ہاں منتقل ہو گئے۔ خبر پاتے ہی امیر درعیہ محمد بن سعود اپنے بھائیوں، مشاری اور ثنیان کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا، اور سب نے مل کر شیخ کو امداد اور فرماں برداری کا یقین دلایا[33]۔

یہ مختصر روداد ابنِ غنام سے منقول ہے۔ ابن بشر نے اس اہم واقعہ کو جسے شیخ کی تبلیغی زندگی میں خاص اہمیت حاصل ہے، ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ابنِ غنام کے بعد ہم ابنِ بشر کی روایت بھی ذیل میں درج کرتے ہیں:

> ''شیخ درعیہ عصر کے وقت پہنچے، جہاں وہ ایک خوش بخت انسان محمد بن سویلم العرینی کے گھر اترے، بیچارہ عربی اخلاق سے مجبور ہو کر کچھ نہ بولا، پر امیر کے خوف سے اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ شیخ نے نصیحت کی اور تسکین دی سیجعل اللہ لنا ولك فرجاً ومخرجاً''۔

امیر محمد بن سعود کی معاونت

ابنِ سویلم کے گھر ٹھہرے، تو وہ توحید کا مرکز بن گیا۔ لوگ چھپ چھپ کر آنے لگے۔ اہل علم خاص طور پر مستفید ہوتے۔ لیکن یہ صورت قابل اطمینان نہ تھی، شیخ نے امیر سے سلسلہ جنبانی کرنا چاہی اور امیر کے بھائیوں مشاری اور ثنّیان سے گفتگو کی۔ انہوں نے پہلے امیر کی بیوی موضیٰ بنت ابی وحطان سے جو نہایت ذی فہم اور متدین خاتون تھی، شیخ کے علم و فضل کی تعریف کی اور اسے امیر سے سلسلۂ جنبانی پر آمادہ کیا۔ قدرت کو یونہی کرنا تھا۔ موضیٰ کے دل پر خود بخود شیخ کے علم و فضل کا سکہ جم گیا۔ اس نے امیر سے عرض کی:

> ''اللہ نے یہ نعمت تمہارے یہاں بھیج دی ہے، اٹھو اور اس کی مدد کرو۔ تمہاری دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی''۔

امیر محمد بن سعود، جو شیخ کی دعوت سے پہلے بھی حسنِ اخلاق میں مشہور تھا، اپنی بیوی کی گفتگو سے متاثر ہوا اور اس کے دل میں شیخ کی محبت گھر کر گئی۔ سب کے اصرار سے اس نے ملنے میں پہل کی اور اخلاق و عقیدت سے پذیرائی کی۔ شیخ نے جواب میں اپنی دعوت کے اہم حصوں (کلمہ لاالٰہ الااللہ کا مفہوم، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جہاد) پر مختصر تقریر کی اور اہل نجد کی بُرائیوں سے آگاہ کیا اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔

امیر متاثر ہوا اور بے ساختہ بول اُٹھا:

"اے شیخ! یہ توبلاشبہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے۔میں آپ کی امداد واطاعت اور مخالفینِ توحید سے جہاد کے لئے تیار ہوں لیکن میری دو شرطیں ہیں:

1- اگر ہم نے آپ کی مدد کی اور اللہ نے ہمیں فتح دی، توآپ ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں۔"

2- اہل درعیہ سے فصل کے وقت میں کچھ مقررہ محصول لیتا ہوں آپ مجھے اس سے نہ روکیں۔"

شیخ نے جواب دیا:

"پہلی شرط بسر و چشم منظور ہے، ہاتھ لاؤ: الدم بالدم والھدم بالھدم (میرا خون تمہارا خون اور میری تباہی تمہاری تباہی۔رہی دوسری شرط سوان شاءاللہ تمہیں فتوحات اور غنیمتوں میں اتنا کچھ مل جائے گا کہ اس خراج کا خیال بھی دل میں نہ آئے گا۔

امیر نے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عہد کیا۔کتاب وسنت کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی آمادگی ظاہر کی۔یہ 1157ھ [34] یا 1158ھ کا ذکر ہے۔امیر کا بیعت کرنا تھا کہ جوق در جوق لوگ استفادہ اور تجدید ایمان واعمال کے لئے آنے لگے۔عیینہ کے پرانے فیض یافتہ اور ہم نشین، جن کے دلوں میں شیخ کی دعوت گھر کر چکی تھی، درعیہ آ گئے۔ان آنے والوں میں خود عثمان بن معمر رئیس عیینہ کے بعض عزیز بھی تھے۔

ارادت مندوں کا پہلا گروہ

یوں تو عیینہ ہی کے دورِ قیام میں شیخ کی طرف لوگ کھنچنے لگے تھے، لیکن ایک عرصہ تک بدعات اور تاریکی میں گھرے رہنے کے بعد عام طور پر خلقت قبولِ حق میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی تھی، درعیہ کے قیام اور امیر محمد بن سعود کی نیک نامی نے دعوت کی کامیابی کے لئے اچھی زمین تیار کر دی۔جن خوش قسمت لوگوں نے آغاز کار ہی میں جوش و خروش کے ساتھ دعوتِ لبیک کہا اور اس سلسلہ میں خود بھی ابتلاء و محن سے دوچار ہوئے، ان میں بعض نام ابن غنام کی عنایت سے ہم تک پہنچ گئے ہیں۔

خاندانی اور باوجاہت لوگوں میں محمد بن سعود کے تین بھائیوں مشاری [35] ثنیان اور فرحان کے نام پہلے آتے ہیں۔اہل علم میں احمد بن سویلم اور عیسیٰ بن قاسم زیادہ ممتاز تھے، اور عام رسوخ واثر کے اعتبار سے محمد الخریمی، عبداللہ بن دغشیر، سلیمان الوشیقیری، حمد بن حسین کے نام آج تک زبان زد ہیں۔فلبی (ص:12-13) کے بیان کے مطابق:

> "یہ وہابیت کے پہلے بہادر کارکن تھے،ان کے نام آج تک عزت سے لئے جاتے ہیں،اور ان کی اولاد سلطان کے دربار میں اعزاز کی مستحق سمجھی جاتی ہے۔"

ابن معمر کی زود پشیمانی

دعوت کی روز افزوں عمومیت اور مقبولیت کی خبر پاکر ابن معمر سے نہ رہا گیا۔اسے اپنے پہلے عمل پر بڑی پشیمانی ہوئی۔اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی۔ساتھ ساتھ عیینہ واپس چلنے کی درخواست بھی کی۔ شیخ نے جواب میں صاف کہا:

> "اب یہ امیر ابن سعود کے اختیار میں ہے،ان کی اجازت ہو تو میں تیار ہوں،ورنہ انہیں چھوڑ کر اب کسی دوسرے کی رفاقت منظور نہیں"

یہ واضح جواب پاکر ابن معمر نے خود میزبان محمد بن سعود سے اجازت طلب کی،لیکن وہ اس نعمت کو اپنے گھر سے کسی دام پر الگ کرنے کو تیار نہ تھے۔

دورِ عمل

شیخ کی تشریف آوری سے پہلے درعیہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔جہاں جہالت کی گرم بازاری تھی۔ شیخ نے سب سے پہلے وعظ و درس کے حلقے قائم کئے،اور خود صبح سے شام تک آنے والوں کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتے۔اور اپنی دعوت،توحید و اخلاص فی عبادۃ اللہ،کی اہم اور ضروری چیزیں ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے۔ شیخ کی جاذب شخصیت اور دعوت کی سچائی نے فوری اثر دکھایا،مجالسِ وعظ وتذکیر سے یہ فائدہ پہونچا کہ دلوں سے ما الفینا علیہ آباءنا کا زنگ دور ہونے لگا،اور رسم و رواج کے خرافات کو وہ صرف قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھنے لگے۔

ان مجالس کی کشش دور دور سے تشنگان علم کو درعیہ لے آئی۔ جہاں رزق کی تنگی کے باعث یہ علم و عمل کے پیاسے راتوں کو کسی حرفت کے ذریعہ قوت لایموت حاصل کرنے کی کوشش کرتے،اور ان کا وقت اللہ کی کتاب اور اس کے برگزیدہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بتائی ہوئی باتوں کو سُننے کے لئے وقف رہتا۔شاگردوں اور ارادت مندوں کی زیادتی اور ان کی میزبانی کے باعث شیخ برابر مقروض رہتے۔ بہر حال دعوت کی مقبولیت دن پر دن بڑھتی گئی،اور آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا[36]۔

دعوت کی وسعت

اہل درعیہ تو شیخ کے قدم رکھتے ہی عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے، لیکن وہ اس پر قانع نہ تھے، نجد کے مختلف حصوں اور ان کے سرداروں کو ترغیب دیتے، اور اپنی دعوت سے آگاہ کرتے۔ گو مخالفتیں بھی ہوئیں اور افتراء پردازیوں میں بھی کوئی کمی نہیں کی گئی۔ پھر بھی حق کی آواز بلند ہوتی چلی گئی اور آہستہ آہستہ اس کے ثمرات ظاہر ہونے لگے۔ قیام درعیہ کے دوسرے ہی سال (1158ھ یا 1159ھ) امیر عیینہ نے آکر بیعت کی، اور حدود شرعیہ کے نفاذ کا عہد کیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد اہل حریملا نے بھی بیعت کی۔ ادھر امیر محمد بن سعود کی معاونت کا یہ عالم تھا کہ خُمس اور زکٰوۃ کی تمام رقمیں شیخ کے ہاتھ میں دی جاتیں، اور وہ انہیں بے دریغ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے۔ امیر ابن سعود اور اُن کے جانشین عبدالعزیز بن محمد بن سعود (جو 1157ھ، 1765ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد منصب امارت پر متمکن ہوئے) شیخ کی اجازت کے بغیر ادنی تصرف روا نہیں رکھتے۔ بایں ہمہ شیخ کی للّٰہیت کا یہ حال تھا، کہ وہ اپنے پاس ایک جبہ بھی نہیں رکھتے، اور جو کچھ آتا، سب اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے۔

ابن بشر کا بیان ہے (ص:15) کہ خمس اور زکٰوۃ سے جو کچھ آتا، وہ فوراً تقسیم کر دیتے۔ ان کی اس فرخ دستی کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ برابر مقروض رہتے، صرف فتح ریاض[37] 1187ھ/1773ء کے وقت ان پر چالیس ہزار قرض تھا، جو مال غنیمت سے ادا کیا گیا۔

یہ سارا قرض اور یہ تمام دریادلی تبلیغ کے سلسلہ میں ہوتی تھی، جو فتح ریاض تک برابر جاری رہی۔ فتح ریاض کے بعد شیخ کو اپنی دعوت کے متعلق ایک گونہ اطمینان ہو گیا، توانہوں نے امیر عبدالعزیز کو سیاہ وسپید کا مالک بنا کر اپنے آپ کو بیت المال کے انتظامات سے بالکل الگ کر لیا۔ اور اپنی تمام توجہ تعلیم وتدریس پر مرکوز کر دی، لیکن عبدالعزیز شیخ کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتے، ہر کام میں ان کی رائے مقدم تھی۔

تبلیغ عام

اب تک شیخ کی دعوت نجد کے اضلاع تک محدود رہی۔ لیکن یہ دعوت عام تھی، اصلاح کی ضرورت صرف نجد میں نہ تھی تمام اسلامی دنیا انحطاط کے عالم میں تھی۔ اصلاح کی ابتداء گھر سے ہوتی ہے، اس لئے قادرتی طور پر عُیَینہ، حریملا، درعیہ اور عارض کے دوسرے قصبے شیخ کی دعوت کا اولین مرکز بنے، لیکن جونہی ان علاقوں میں زندگی کی علامتیں ظاہر ہوئیں، شیخ نے اپنی دعوت کا حلقہ وسیع کیا، اور دُور دور کے شہروں کے علماء امراء اور قضاۃ کے پاس تبلیغی خطوط بھیجے، اور انہیں اپنی دعوت کے قبول کرنے پر آمادہ کرنے

لگے، پر کم تھے وہ جنہوں نے شروع شروع دعوت قبول کی، زیادہ وہ تھے جنہوں نے شیخ کی دعوت کا مذاق اڑایا، کسی نے انہیں جاہل کہا ، کسی نے جادو گر اور کسی نے ایسی تہمتیں لگائیں جن سے وہ پاک تھے۔

دعوت پر لبیک کہنے والوں، اور اس کی حمایت کرنے والوں میں سب سے زیادہ ممتاز صنعاء(یمن) کے مجتہد النظر امیر محمد بن اسماعیل[38](ف 1182ھ) تھے، جنہوں نے شیخ کی دعوت پاکر اپنا مشہور وجد آفریں قصیدہ لکھا، جو اہل علم میں بہت مقبول ہوا، اس کا مطلع یہ ہے:

سلامی علی نجدومن حل بالنجد وان کان تسلیمی علی البُعدلا یُجدی

اس قصیدہ میں شیخ کی مدح، بدعات کی برائی اور وحدۃ الوجود کے عقیدے کی پرزور تردید اور بہت سی مفید باتیں ہیں

امیر محمد بن اسماعیل کو شیخ کی دعوت سے زیادہ خوشی اس لئے ہوئی کہ وہ اس سے پہلے اپنے آپ کو اس باب میں منفرد خیال کرتے تھے، جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے:

لقدسرّنی ماجاءنی من طریقه وکنت اری هذی الطریقة لی وحدی

شیخ کو امیر یمنی کے قصیدے اور تائید سے بڑی تقویت ہوئی، بعض رسالوں میں انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے[39]

شیخ کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب(ف 1208ھ) جو اپنے باپ کی جگہ حریملا کے قاضی تھے، اوّل اوّل ان کے مخالف ہوئے۔ اور ان کی تردید میں رسالے بھی لکھے، جو غلط بیانیوں سے پر تھے۔ ابن غنام کی زبان میں انہوں نے ''حسداًو غیرہ'' مخالفت کی تھی، شیخ نے ان کی تردید میں رسالے بھی لکھے، لیکن آخر میں انہیں توفیق ہوئی اور اپنے بھائی کے پاس تائب ہو کر آئے[40]

''رجع الیٰ اخیه بالدرعیة تائباً سنة **1190**،فاحسن الیه الشیخ و اکرم مثواه''

(1190ھ میں تائب ہو کر اپنے بھائی کے پاس درعیہ آئے، تو شیخ حسنِ سلوک سے پیش آئے، اور ان کی آؤ بھگت کی۔)

سلیمان بن عبدالوہاب کا رسالہ **الصواعق الالٰهية فى الرّد على الوهابية** کے نام سے چھپا ہوا ملتا ہے، مخالف اس رسالہ کا ذکر کرتے ہیں، لیکن سلیمان کی توبہ اور ''رجوع'' کا نام بھی زبان پر نہیں لاتے۔

سلیمان بن عبدالوہاب کی مخالفت 1167ھ میں بہت زیادہ تیز ہوگئی تھی، اسی سال شیخ نے اطراف واکناف سے مسلمانوں کو جمع کیا، اوران کے سامنے اپنی دعوت پر واضح اور کھلی ہوئی تقریر کی۔

دعوت کی بنیاد اور اس کی موافقت و مخالفت کا ذکر آگے تفصیل سے آئے گا، یہاں صرف دعوت کی عمومیت دکھانی تھی۔ تشنگان علم تو جوق در جوق آتے ہی تھے، شیخ کے تبلیغی رسالے، مبلغین اور ہدایت نامے بھی اطراف واکناف میں پھیل رہے تھے۔

ابنِ دواس اور دوسرے مخالف

درعیہ کی اقامت کے تیسرے ہی سال (1159ھ) دہام بن دواس حاکمِ ریاض کی زیادتیوں نے شیخ اور امیر محمد بن سعود کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ریاض اور منفوحہ کے موحدین کو صرف اتباعِ شیخ کے جرم میں ان نے گوناگوں زیادتیوں کا شکار بنایا۔ مجبوراً شیخ نے بھی اپنے پیروؤں کو مقابلہ اور مقاتلہ کا حکم دیا۔ پھر کیا تھا، امیر محمد بن سعود اور ان کے بھائیوں اور بیٹوں نے معاندین کی خوب خبر لی اور جنگ و قتال کا سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا۔

صرف دہام بن دواس حاکم ریاض سے پچیس تیس سال چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ قائم رہا۔ 1159ھ سے 1187ھ تک دونوں قوتیں بر سرِ پیکار رہیں۔ آخر 1187ھ میں عبدالعزیز محمد بن سعود کے تازہ حملہ کی خبر پاکر ابن دواس شہر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور قلب نجد (ریاض) پر امیر عبدالعزیز کا مکمل قبضہ ہوگیا[41]۔ اسی دوران میں آس پاس کی دوسری طاقتیں بھی حملہ آور ہوئیں۔ عثمان بن معمر حاکم عیینہ نے بار بار دھوکہ دیا۔ اہل نجد اور شیخ کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر مخالفوں نے اوچھے ہتھیار استعمال کرنا شروع کئے۔ سلیمان بن محمد سحیم نے شیخ پر بہتان باندھے۔ اور ان کی طرف قسم قسم کی بُرائیاں منسوب کیں، خلیج فارس، احساء اور دوسرے ملکوں کو اس نے رسالے لکھ کر بھیجے۔ شیخ نے ان میں سے ایک رسالہ کا مفصل جواب دیا ہے۔ افتراپردازیوں اور جواب کی نوعیت پر آگے گفتگو ہوگی۔ ایک طرف یہ نام نہاد علم و عمل کے اجارہ دار تھے، دوسری جانب چھوٹے چھوٹے علاقوں کے سردار، اپنی اپنی خود مختاری کے بچاؤ کی خاطر افتراپردازوں کا ہاتھ بٹانے لگے[42]۔ پر ان تمام رکاوٹوں کے باوجود دعوت کا حلقہ وسیع ہوتا گیا اور مطوع درعیہ سے نکل کر نجد کے تمام علاقوں میں پھیل گئے، تاآنکہ کم از کم قلب جزیرۃ میں محمد بن عبداللہ (مفدی بابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اپنی اصلی صورت میں جلوہ گر ہوگئیں۔

وفات

شیخ نے پچاس (50) سال مسلسل دعوت و تبلیغ کے بعد شوال یا ذی قعدۃ 1202ھ (جون یا جولائی 1792ء) میں رحلت کی[43]۔ دنیاومافیہا سے بے نیاز عجیب ہستی تھی۔ کم لوگوں کو اپنی زندگی میں ایسی قبولیت حاصل ہوئی ہوگی۔

شیخ کے شاگرد ابن غنام[44] نے ایک پر درد مرثیہ لکھا تھا، جس کا مطلع یہ ہے:

الی اللّٰہ فی کشف الشدائد لفزع   ولیس الیٰ غیر المھیمن مفزع

محمد حامد فقی نے قاضی محمد بن علی شوکانی (ف 1250) کا بھی ایک مرثیہ نقل کیا جس کا مطلع یہ ہے:

مصاب دھا قلبی فاذکی غلائلی   واصمی بسھم لافتجاع مقاتلی

ایک بڑی خصوصیت

تاریخ اسلام میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ غیر معمولی شخصیتیں، مہدویت یا مسیحیت کے لباس میں جلوہ گر ہوئیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مفید ہونے کے بدلے دین اور اس کی وحدت کے لئے انتہائی مضر ثابت ہوئیں۔ ہم اسے شیخ الاسلام کی دعوت کی انتہائی کامیابی خیال کرتے ہیں کہ ان کی تعلیمات اور ان کے پیروان اوہام سے بالکل الگ تھلگ اور خطرات سے بال بال بچے رہے۔ بعض اہل علم[45] نے افتراپردازیاں کیں، پر ان کی ایک نہ چلی اور نجد کے موحد پر کوشش کے باوجود ان کی تصنیفات اور رسالوں سے کوئی ایساالزام نہ تراشا جاسکا۔ ان کی کتابیں کھلی ہوئی اور دو دو چار کے انداز میں اپنے لکھنے والی کی جراءت اور صداقت کی شہادت دیتی ہیں۔ پوری کتاب التوحید پڑھ جاؤ، کوئی پیچیدگی، تصوف، توہم، دوراز کار باتیں، منطقیانہ استدلال، یونانی کج بحثی، ان میں سے کسی چیز کا ادنی شائبہ بھی نہ ملے گا۔

دوسری خصوصیت

محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ ایک ٹھیٹھ عالم تھے۔ پر ان کی نگاہیں بڑی ڈوررس تھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں دعوت کے ثمرات دیکھے، دینی ثمرات بھی، اور دنیوی پھل پھول بھی۔ ان کی زندگی میں نجد کا پورا علاقہ مفتوح ہو چکا تھا، امیر نجد اور اس کے اہل خاندان

قدموں پر جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے۔ سارا جاہ و چشم شیخ کی جوتیوں کا صدقہ تھا۔ مجاہد اور عام قوم انہی کو جانتی تھی، اور انہی پر فریفتہ تھی۔ وہ چاہتے تو سلطنت میں اپنی اولاد کا حصہ رکھتے، خود زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے۔ لیکن انہوں نے اپنے کو ان ذمہ داریوں سے یکسر الگ رکھا۔ امیر محمد بن سعود اور ان کے جانشین امیر عبد العزیز ان کے مشوروں کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے اور نہ کرنا چاہتے۔ سارا مال غنیمت ان کے قدموں میں لا کر ڈال دیا جاتا، لیکن اس اللہ کے بندے نے اپنے کام سے کام رکھا۔ جب تک ضرورت رہی دخل دیتے رہے، جونہی انہوں نے محسوس کیا کہ اب دعوت کی بنیادیں استوار ہو گئی ہیں، اپنے آپ کو ملکی انتظامات اور مالِ غنیمت کے نظم و نسق سے یکسر الگ کر لیا۔ شیخ کی اس بے نفسی کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اُن کی اولاد بھی دنیاوی جاہ و حشم سے الگ دین کی خدمت میں مصروف رہی۔ اور آج تک جب کہ شیخ کی وفات کو ڈیڑھ سو برس ہو گئے، کبھی ان کی اولاد تخت و تاج کے لئے آلِ سعود سے دست گریباں نہیں ہوئی۔

اولاد و احفاد

شیخ کے شاگردوں اور ان کے حلقۂ درس وارشاد سے مستفید ہونے والوں کا شمار واستقصاء تو تقریباً ناممکن ہے۔ جس درس میں پچاس ساٹھ سال مسلسل خوشہ چینیوں کا تانتا بندھا رہا ہو، اس کی وسعت وہمہ گیری کا کیا ٹھکانہ؟ اس لئے ہم شیخ کے شاگردوں میں صرف ان کی اولاد واحفاد کا تذکرہ کریں گے، جو بجا طور پر اب آل الشیخ کے نام سے پکارے جاتے ہیں، اور یہی ان کا نسب ہے۔ یہ شیخ کی خوش نصیبی تھی کہ انہوں نے اپنے ایسے جانشین چھوڑے، جو بالکل انہی کے طریقہ کے مطابق سنت رسول کے تتبع اور تبلیغ وتدریس میں مشغول رہے، اور اس سے زیادہ مسرت واعجاب کی بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ آج تک منقطع نہیں ہوا۔ آج تک ان کی اولاد علم و عمل میں پورے نجد میں ممتاز ہے۔

شیخ کثیر العیال تھے، بعض لڑکے ان کی زندگی ہی میں وفات پا گئے، وفات کے وقت انہوں نے چار بیٹے چھوڑے۔ حسین، عبد اللہ، علی، ابراہیم۔

ابن بشر کہتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ان کے درس میں طلبہ اتنا ہجوم دیکھا کہ اگر کسی سے بیان کیا جائے تو شاید اسے یقین نہ آئے۔

ان میں سے ہر ایک کے گھر کے پاس ایک مدرسہ تھا، جس میں پردیسی طالب علم رہا کرتے، اور ان کے مصارف بیت المال سے ادا ہوتے، یہ لوگ شب و روز تحصیل علم میں مصروف رہتے[46]۔

ان میں حسین بڑے تھے،اور شیخ کے بعد اصلی جانشین وہی سمجھے جاتے۔درعیہ کے قضاء پر مامور تھے۔درعیہ کی جامع مسجد کی امامت بھی ان کے سپرد تھی۔12224ھ میں وفات پائی[47]۔ان کے متعدد بیٹے تھے،اور سب کے سب علم و عمل میں ممتاز۔ابن بشر نے علی، حمد، حسن، عبدالرحمٰن۔عبدالملک کے نام گنائے ہیں۔ان میں علی بڑے اور علم میں بھی ممتاز تھے۔اس لئے اپنے اعمام کی موجودگی میں منصب قضاء و قدر پر مامور ہوئے۔

سعود بن عبدالعزیز(1218ھ-1834ء،122ھ-1814ء)

عبداللہ بن سعود(مصلوب1234ھ،1818ء)

ترکی(مقتول1249ھ،1834ء) اور

فیصل بن ترکی(ف1282ھ،1865ء)

مختلف امیروں کے عہد میں عہدۂ قضاء پر معمور رہے۔حمد زمانہ طالب علمی ہی میں وفات پا گئے۔حسن، ترکی بن عبداللہ کے زمانے میں ریاض کے قاضی تھے۔فقہ میں اچھی دستگاہ تھی۔عمر کم پائی۔اور 1245ھ میں دارآخرت کو چل بسے۔عبدالرحمٰن، ترکی اور فیصل دونوں کے دور حکومت میں منصب قضاء پر فائز ہوئے۔فقہ، تفسیر اور نحو کے اچھے عالم تھے۔عبد الملک بن حسین بھی فیصل کے عہد میں حوطہ کے قاضی تھے۔عبدالرحمٰن بن حسین، حسن بن حسین، عبدالملک بن حسین، سب کے سب شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد بن عبدالوہاب سے مستفید ہوئے(جن کا ذکر آگے آتا ہے)اسی طرح حسین بن شیخ الاسلام کی اولاد میں حسین بن حمد بن حسین بن شیخ الاسلام(قاضی حریق بہ عہد فیصل) حسین بن علی بن شیخ الاسلام(قاضی ریاض بہ عہد فیصل)اور عبداللہ بن حسین بن حسین بن شیخ الاسلام بھی شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ الاسلام سے مستفید ہوئے۔

شیخ کے دوسرے بیٹے عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب بھی بڑے عالم تھے۔ان کا شمار علمائے مصنفین میں تھا۔حسین بن محمد کی وفات کے بعد یہی شیخ الاسلام کے جانشین مانے جاتے تھے۔خود حسین بن محمد کی زندگی میں اُن کی علمی حیثیت مسلم ہو چکی تھی۔1218ھ،1803ء میں امیر سعود بن عبدالعزیز کے داخلہ مکہ مکرمہ کے وقت یہ ساتھ تھے۔اور امیر سعود نے اپنی جماعت کے عقائد سے متعلق جو رسالہ تقسیم کرایا تھا،وہ انہی عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے قلم کا لکھا ہوا تھا۔1233ھ میں ابراہیم پاشا کے حملہ درعیہ کے وقت موجود تھے، لیکن مصری فوجوں کی وحشت اور غارت گری آپ سے دیکھی نہ گئی اور تلوار لے کر میدان میں کود پڑے:

فشهر سیفه عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوھاب وانتدبوا اجتمعوا علیه الخ

اور خوب داد شجاعت دی، غالباً گرفتار کر کے مصر بھیج دیئے گئے اور وہیں[48] وفات پائی ان کے دو بیٹے سلیمان بن عبداللہ اور علی بن عبداللہ سقوطِ درعیہ کے وقت قتل کئے گئے۔ سلیمان ممتاز عالم تھے، اپنے والد کی موجودگی میں درعیہ کے قاضی رہے۔ نیز امیر سعود کے دورِ امارت میں کچھ دنوں مکہ مکرمہ میں بھی انہوں نے قضا کے فرائض انجام دیئے۔ امیر سعود بن عبدالعزیز کی مجلس میں صحیح بخاری کا درس اُن کے سپرد تھا، جو بہت بڑا علمی امتیاز تھا خود عبداللہ بن شیخ الاسلام امیر سعود کی مجلس تفسیر طبری اور ابن کثیر کا درس دیتے تھے۔ ابن بشر خود ان کی مجلسوں میں شریک رہا ہے، اس کے بیان سے ان علمی مجلسوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے[49]۔ اُس نے ان کے طریقہ تعلیم و تحدیث کا اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بہت ممتاز تھے، اس لئے وحلان[50] نے انہیں ان کے والد سے زیادہ متعصب بتایا ہے، کتاب التوحید کی ایک شرح بھی لکھی تھی، جو ابنِ بشر کے بیان کے مطابق نامکمل رہی[51]۔ اپنے والد، شیخ احمد بن ناصر بن معمر (ف 1225ھ) اور شیخ حسین بن غنام (ف 1225ھ) سے تحصیل کی تھی 1233ھ کے اواخر میں قتل کئے گئے۔ اُن کے قتل کا واقعہ بھی عجیب دردناک ہے، آگے تفصیل آئے گی۔ اس کے علاوہ ان کی ایک دوسری تالیف (کتاب التوضیح عن توحید الخلاق فی جواب اهل العراق) مطبوعہ 1319ھ ہمارے پیش نظر ہے جو اُن کی وسعتِ علم کی شاہد ہے۔ بروکلمن (ذیل: 2/532) نے ان کی دو کتابیں اور ذکر کی ہیں:

1- اوثق عری الایمان۔ 2- مسائل، جو راقم کی نظر سے نہیں گزریں۔ مجموعۃ التوحید المکیہ (مطبوعہ 1243ھ) میں بھی شیخ سلیمان بن عبداللہ کا ایک رسالہ بعض اہم مسائل کے جواب میں شامل ہے۔ ممکن ہے بروکلمن کا درج کردہ رسالہ مسائل اور یہ دونوں ایک ہی ہوں۔ علی بن عبداللہ بن الشیخ 1254ھ میں درعیہ کے قریب شہید ہوئے، حدیث و تفسیر میں اچھی دستگاہ تھی۔ انہوں نے بھی کتاب التوحید کی ایک شرح لکھی تھی[52]۔ عبداللہ بن شیخ الاسلام کے تیسرے بیٹے عبدالرحمن بن عبداللہ بھی مشہور عالم ہوئے۔ حسین بن شیخ الاسلام کے متعدد مختصر رسالے اور فتوے مشرقی کتاب خانہ، پٹنہ کے ایک مجموعے میں درج ہیں[53]۔

علی بن شیخ الاسلام بھی ممتاز عالم اور زہد و ورع میں ضرب المثل تھے۔ فقہ و تفسیر میں اچھی دستگاہ تھی۔ قضا کا منصب پیش کیا گیا، لیکن انہوں نے غایت زہد و ورع کی بناء پر قبول نہ کیا۔ اِن کے لڑکے کمسنی ہی میں انتقال کر گئے، صرف محمد بن علی بن شیخ الاسلام پھلے پھولے اور ممتاز عالم ہوئے۔

چوتھے بیٹے ابراہیم مشہور صاحبِ درس ہوئے، ابن بشر نے اُن سے کم سنی میں (1224ھ) کتاب التوحید پڑھی تھی، قضاء سے الگ رہے[54]۔

شیخ کے ممتاز شاگردوں میں اُن کے پوتے عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ الاسلام بھی نجد کے چند ممتاز علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔اُن کے والد شیخ کی زندگی ہی میں انتقال کر چکے تھے۔کم سنی میں اپنے دادا سے کسبِ علم کیا،اور شیخ کے ممتاز شاگردوں احمد بن ناصر بن عثمان بن معمر(ف1225ھ)اور عبدالعزیز بن عبداللہ الحصین الناصری(م1237ھ)کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔عبدالرحمٰن بن حسن کی حیثیت اپنے خاندان میں علمی مجدد کی ہے۔اُن کا علمی مرتبہ شروع سے مسلم تھا۔امیر سعود بن عبدالعزیز(ف1229ھ)اور امیر عبداللہ بن سعود(مصلوب1234ھ)کے عہد میں درعیہ کے قاضی رہے۔شیخ حسین بن شیخ الاسلام کی وفات(1225ھ)کے بعداس خاندان کے ان[55]چارافراد میں یہ بھی تھے جن کی علمی حیثیت مسلم تھی اور پایہ تخت(درعیہ)کے قضاکاکام جن کے سپرد تھا۔

سقوط درعیہ کے وقت(1233ھ)مصر چلے گئے تھے،بلکہ جلاوطن کردیئے گئے تھے،جب حالات استوار ہوئے،تو1241ھ میں نجد واپس آئے،جہاں اُن کی ذات سے پھرایک بار علم کی گرم بازاری ہوئی اور سینکڑوں اشخاص اُن کے درس میں شریک ہو کر کامیاب نکلے۔خود شیخ الاسلام کے خاندان کے بیسیوں افراد اُن سے مستفیض ہوئے[56]۔ترکی بن عبداللہ(مقتول 1249ھ،1834ء) اور فیصل بن ترکی(ف1282ھ،1865ء)کے عہد میں قاضی القضاۃاور خواص وعوام کامرجع بنے رہے۔ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود(مقتول 1249ھ)کی خاص مجلسوں میں درس کی خدمت انہی کے سپرد تھی۔عام طورپر تفسیرابن جریر کادرس ہوتا۔فیصل بن ترکی کے عہد میں بھی درس وارشاد کی خدمت انہی کے سپرد تھی۔سقوط درعیہ سے پہلے اساطینِ اربعہ کی دھوم تھی۔حالات استوار ہونے کے بعدامیر ترکی بن عبداللہ کے عہد میں صرف عبدالرحمٰن بن حسن بن الشیخ،اور علی بن حسین الشیخ رہ گئے۔ترکی اور فیصل دونوں کے ایام حکومت میں،عبدالرحمٰن بن حسن اور علی بن حسین کے ساتھ ساتھ عبدالرحمٰن بن حسین بن الشیخ اور عبدالملک بن حسین کے نام بھی بار بارآتے ہیں[57]۔لیکن فیصل بن ترکی کے آخر دور میں (1256کے بعد)صرف عبدالرحمٰن بن حسن بن الشیخ کانام خاص طورپر آتاہے،اور پھر فیصل کے بالکل آخری دور میں ان کے صاحبزادے عبداللطیف ابن عبدالرحمٰن قضااورتدریس پرفائز نظرآتے ہیں۔علی بن حسین بن الشیخ نے کافی عمرپائی،اور غالباًفیصل کے وسط عہدِ حکومت(تقریباً1260ھ)میں رحلت کی۔بہر حال فیصل بن ترکی کے آخری زمانہ حکومت میں یہ سب سے زیادہ محترم اور مخدوم تھے۔بڑی عمر پائی،ابن بشر نے اپنی کتاب 1207ھ میں لکھی۔اور1267ھ کے حوادث پر ختم کی ہے۔اس وقت یہ زندہ تھے۔پالگریونے اپنی سیاحت کے دوران میں(1862ء/1279ھ)ریاض میں ان سے اوران کے صاحبزادے عبداللطیف سے ملاقات کی تھی[58]۔لیکن اسے غلط فہمی یہ ہوئی کہ وہ انہیں عبداللہ ابن الشیخ کافرزند سمجھا1285ھ میں بڑی عمرپاکر وفات پائی۔

ابن بشر نے ان کی متعدد تالیفات اور رسالوں کا ذکر کیا ہے، سلیمان بن عبداللہ بن الشیخ (مقتول 1233ھ) کی غیر مکمل شرح کتاب التوحید کی تکمیل بھی ان کے قلم سے ہوئی تھی جو "فتح المجید فی شرح کتاب التوحید" کے نام سے بارہا چھپ چکی ہے [59]۔

فتح المجید کے علاوہ ان کی دوسری کتاب (قرة العيون الموحدين فى تحقيق دعوة الانبياء والمرسلين) بھی چھپ گئی ہے۔یہ اصل میں کتاب التوحید ہی کے حواشی ہیں۔محمد حامد الفقی (جنھوں نے فتح المجید کا تازہ ایڈیشن شائع کیا ہے) نے فتح المجید کے حواشی میں قرۃ عیون الموحدین کے اقتباسات بہ کثرت دیئے ہیں۔ان کا ایک مختصر رسالہ عنوان المجد میں منقول ہے [60]۔ابن بشر نے ان کے متعدد خطوط کے اقتباسات بھی دیئے ہیں۔مجموعۃ التوحید التوحید المکیۃ(1343ھ) میں بھی ان کے حسب ذیل تین رسالے شامل ہیں:

(1) رسالہ فی جواب الجہمیہ (صفحہ 32-36)

(2) رسالہ فی حکم موالاۃ اہل الاشراک (صفحہ 157-169)

(3) بیان المحجۃ فی الرد علی صاحب اللجۃ (صفحہ 205-252)

ان کے صاحبزادوں میں محمد بن عبدالرحمٰن بن حسن سقوطِ درعیہ کے وقت اپنے دوسرے اہل خاندان کی طرح قتل کر دیئے گئے [61]۔

عبداللطیف بن عبدالرحمٰن ان کے جانشین ہوئے۔یہ صغر سنی ہی میں سقوطِ درعیہ کے وقت مصر چلے گئے تھے۔اپنے والد اور دوسرے اہل علم سے تحصیل کی۔1264ھ میں نجد واپس آئے اور اپنے ساتھ کتابوں کا بڑا ذخیرہ لائے۔آتے ہی اپنے والد کے دست راست بن گئے اور علمی و تبلیغی کاموں میں ان کا ہاتھ بٹانا شروع کیا۔1262ھ تک فیصل بن ترکی (ف1282ھ) کی مجلسوں میں عبدالرحمٰن بن حسن مدرس اور واعظ کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔1265ھ میں عبداللطیف بن عبدالرحمٰن قاضی،امام، مدرس، ہر حیثیت سے آگے دکھائی دیتے ہیں۔ابن بشر ان کے درس کا بہت مداح [62] ہے۔پالگریو نے 1862ھ/1279ء میں ان سے ملاقات کی تھی۔اُس وقت ان کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہوگی، پایہ تخت ریاض کے قاضی تھے۔ان کی کتاب "منہاج التقدیس والتاسیس فی الرد علی البطل داؤد بن سلیمان بن جرجیس کا ذکر آگے آئے گا،ان کا ایک مختصر رسالہ مجموعۃ الہدیۃ السنیّہ (ص:40،28) کے ضمن میں بھی طبع ہو چکا ہے۔اس میں شیخ الاسلام کی مختصر سیرت بیان کی گئی ہے۔سال وفات تحقیق کے ساتھ معلوم نہ ہو سکا۔ایک نجدی عالم [63] اور سیاح کے بیان کے مطابق انہوں نے 1304ھ میں رحلت کی۔

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن کے ایک دوسرے صاحبزادے اسحاق بن عبدالرحمٰن بن حسن کا ذکر اب تک کسی تذکرہ میں نہیں ملا۔ لیکن ہمیں ان سے واقفیت عجیب دلچسپ طریقہ پر ہوئی۔ شوال (59ھ) میں وطن جاناہوا (اوگانواں ضلع پٹنہ) اور اپنے خاندانی کتاب خانہ کی خستہ حال کتابوں کا جائزہ لینے لگا، توصیانة الانسان عن وسوسة الشیخ دحلان کا ایک نسخہ ملا جس کے پہلے ورق پر یہ عبارت خالص عربی خط میں لکھی ملی "فی ملك الحقیر الفقیر اسحٰق بن عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد النجدی الحنبلی عفی اللہ عنہم "

میری خوشی کا کیا کہنا! الٹنے پلٹنے پر آخراسی خط میں ایک لمبانوٹ ملا، جس سے ان کے علم کا بھی پتہ چلتا ہے۔ درمیان میں ایک مختصر سانوٹ ہے۔ شروع میں نام کے نیچے مہر بھی ہے۔ صرف اسحاق کا لفظ صاف طور پر پڑھا جاتا ہے۔

نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کتاب کس طرح پہونچی؟ قرین قیاس یہ ہے کہ عاجز کے نانا مولانا عبدالصمد (ف 1318ھ) سے ان کے تعلقات ہوں گے۔ مولانا عبدالصمد ایک جید اہل حدیث عالم تھے، اور وقت کے مشہور اہل حدیث عالموں سے ان کے تعلقات دوستانہ اور برابری کے تھے۔ تفتیش سے یہ پتا چلا کہ یہ اسحاق بن عبدالرحمٰن بن حسن ہندوستان میں رہے تھے اور مولانا سید نذیر حسین صاحب سورج گڈھی مونگیری دہلوی (ف 1326ھ) سے استفادہ بھی کیا تھا 1330ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔

موجودہ عہد میں اس خاندان کے عالموں میں محمد بن عبد اللطیف بن عبدالرحمٰن سب سے زیادہ ممتاز ہیں ان کا ایک رسالہ (مؤلفہ 1339ھ) الدررالسنیۃ کے مجموعے میں شامل ہے۔ ان کی عمر اس وقت اسی (80) کے قریب ہوگی (روایت شیخ عمران بن محمد) محمد حامد الفقی نے فتح المجید کے دیباچے میں اس خاندان کے دو معاصر عالموں عبداللہ بن حسن[64] آل شیخ (رئیس قضاۃ، مملکۃ سعودیۃ) اور محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف کے نام لئے ہیں۔

دوسراباب

سیاسی برتری

شیخ کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد نجد اور اطراف نجد میں جو خوشگوار تبدیلیاں ہوئیں، وہ سب ثمرہ تھیں شیخ الاسلام کی 'دعوت' اور ان کے اخلاص کا حقیقت یہ ہے کہ شیخ نے اہل نجد کی زندگی، عقائد اور اخلاق میں ایک غیر معمولی انقلاب نہیں بلکہ کایاپلٹ

کردی۔خوش قسمتی سے انہیں محمد بن سعود(ف1179ھ /1765ء)عبدالعزیز بن محمد بن سعود(1179ھ/1765ء - 1218ھ/1803ء)اور سعود بن عبدالعزیز(1218ھ/1803ھ-1229ھ/1874ء جیسے اولوالعزم مجاہداور فرماں روا ملے، جنہوں نے شیخ کے مشن کی تکمیل میں کوئی دقیقہ اُٹھانہ رکھا۔

شیخ کی دعوت کے ساتھ ساتھ آل سعود کا نام بھی وابستہ ہوگیاہے،اس لئے ہم مختصر طورپر آل سعود کی تاریخ کے ان اہم حصوں کو پیش کردیناچاہتے ہیں، جن کااس تحریک سے خاص اور بلاواسطہ تعلق ہے۔

محمد بن سعود[65]

امیر محمد بن سعود(ف1179ھ/1765ء)نے دعوت کے پھولتے پھلتے ہی حرمین کو ایک وفد بھیجا جس نے شریف مسعود بن سعید(1146ھ/1733ء– 1165ھ/1752ء)سے حج کی عام اجازت طلب کی اور علمائے حرمین سے مختلف فیہ مسائل پر گفتگو کی ''مفتیان حرم''کارویہ افسوسناک رہااور وفد کے اراکین گرفتار کرلئے گئے، بعض نے مشکل سے اپنی جان چھڑائی۔

امتناعِ حج

یہ دحلان کا بیان ہے[66]۔جس کی دونوں کتابیں(خلاصۃ الاحکام فی امراد البلد الحرام اور الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ)نہ تاریخیں صحیح درج ہیں،نہ واقعات کی تدوین میں دیانت داری سے کام لیاگیاہے۔دحلان نے سال کی تعیین بھی نہیں کی۔بہرحال اس سے معلوم ہوتاہے کہ اس واقعہ سے پہلے اہل نجد کے خلاف امتناع حج کے احکام صادر ہوچکے تھے۔ابن بشر 1162ھ کے تحت میں صرف اس قدر ذکر کرتاہے[67]:

''1162ھ میں مسعود بن سعید شریف مکہ نے نجدی حاجیوں کو قید کرلیااور ان میں سے کچھ مرگئے۔''

شیخ الاسلام کی دعوت کاظہور 1157ھ کے بعد ہوا،اور شہرت ومقبولیت 1160ھ کے بعد شروع ہوئی۔اس لئے یہ قرین قیاس نہیں کہ 1162ھ سے پہلے نجد کے حجاج بیت الحرام کی زیارت سے روکے گئے ہوں۔یہ قرائن بتاتے ہیں کہ حاجیوں کی گرفتاری کے

اسی واقعہ سے امتناع حج کا آغاز ہوا اور درمیانی وقفوں کے ساتھ یہ پابندی اہل نجد پر برابر عائد رہی۔ 1183ھ، 1185ھ، 1197ھ میں خاص طور پر اجازت ملی اور نجد کے عالم و عامی بڑی تعداد میں زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ لیکن یہ "اجازتیں" اتفاقی تھیں۔ سعود بن عبدالعزیز کے داخلہ حرم [68] سے پہلے اہل نجد کو کبھی بلا روک ٹوک حج و زیارت کا موقع نہ ملا۔ تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:

عہد [69] عبدالعزیز بن محمد بن سعود

(الف) امیر محمد بن سعود کی وفات عین دعوت کے شباب میں ہوئی [70]۔ عبدالعزیز بن محمد بن سعود جانشین ہوا۔ مار گولیوتھ کے بیان کے مطابق 1779ھ/1766ء میں ایک وفد مکہ گیا، جہاں اُن کی خاطر مدارات ہوئی۔ شریف نے میزبانی کی اور وفد نے علماء کو یقین دلایا کہ ان کے عقائد (امام اہل سنت) احمد بن محمد بن حنبل سے الگ نہیں۔

یہ مار گولیوتھ کا بیان ہے، ابن غنام، ابن بشر اور فلبی 1179ھ میں کسی وفد کا ذکر نہیں کرتے پتہ نہیں ماخذ کیا ہے۔ ابن غنام اور ابن بشر کے سکوت کے بعد مار گولیوتھ کے بیان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ احمد زینی دحلان (الدرر السنیۃ: ص44) کے بیانات بھی اس سلسلہ میں حد درجہ متعارض اور ناقابل وثوق ہیں۔

1183ھ/1769ء امتناع کے بعد پہلا حج

1183ھ/1769ء میں اشراف حجاز کے ایک دستہ سے کہیں موحدین کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ شریف منصور دستہ کا سردار گرفتار ہوا۔ امیر عبدالعزیز نے اسے بلا فدیہ رہا کر دیا۔ جس کا اچھا اثر پڑا اور معاوضے میں شریف [71] مکہ نے حج کی اجازت دی اور موحدین کی ایک کافی تعداد نے اس سے فائدہ اٹھایا:

"......فاغتنم لذلك من المسلمين طائفة وسارت للحج آمنة[72]"

یہ اجازت بہر حال اسی سال تک محدود رہی، البتہ اس سے آئندہ گفت و شنید اور بحث و تمحیص کا دروازہ کھل گیا۔

پہلا نجدی وفد: 1185ھ/1771ء

1185ھ/1771ء میں شیخ اور عبدالعزیز نے احمد بن سعید (1184ھ-1186ھ) والی مکہ کو ہدیے بھیجے۔اس نے خط وکتابت کے ذریعہ ان (شیخ اور امیر عبدالعزیز) سے ایک عالم وفقیہ بھیجنے کی فرمائش کی تھی، جس سے علماءمکہ ان کی دعوت اور مسلک پر گفتگو کر سکیں۔ تو شیخ اور عبدالعزیز نے شیخ عبدالعزیز بن الحصین کو ایک خط دے کر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔۔۔۔۔۔۔

جن علماء(مکہ) نے ان سے گفتگو کی،ان کے نام یہ ہیں:یحییٰ بن صالح الحنفی،عبدالوہاب بن حسن الترکی(سلطان کے مقرر کردہ مفتی)اور عبدالغنی بن بلال۔ تین مسئلوں (تکفیر،ہدم قباب،بزرگوں سے مرادیں ماننا)پر وہ شیخ عبدالعزیز کی دلیلوں سے مطمئن ہو گئے اور شیخ عبدالعزیز اعزاز و توقیر کے ساتھ واپس کئے گئے[73]۔

ابن بشر[74] نے اس وفد کا صرف سرسری تذکرہ کیا ہے،فلبی[75] نے اس وفد کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔اس کا ماخذ غالباً ابنِ غنام کی روضۃ الافکار ہی ہے، لیکن اس نے 1183ھ/1769ء کے حج اور 1185ھ/1771ء کے وفد کو خلط ملط کر دیا ہے۔حالانکہ ابن غنام نے دونوں واقعے الگ الگ ذکر کئے ہیں۔

وفد کے سرگروہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن الحصین کا شمار شیخ الاسلام کے مخصوص شاگردوں میں تھا۔ شیخ کو خود ان پر بڑا اعتماد تھا، شیخ نے اپنی زندگی میں انہیں دوبار رئیس بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا۔ شیخ کے بعد امیر عبدالعزیز(1218ھ/1803ء) سعود بن عبدالعزیز(ف1229ھ/1814ء)اور عبداللہ بن سعود(مصلوب1234ھ/1819ء)جب کہ بہت ضعیف ہو چکے تھے،ابراہیم پاشا ان کے ساتھ بری طرح پیش آیا اور سخت کلامی بھی کی[76]۔فتح اور دنیوی سربلندی کا نشہ ہی کچھ ایسا ہوتا ہے۔غنیمت ہے کہ اوروں کی طرح انہیں پھانسی نہیں دی۔12رجب1237ھ(4اپریل1822ء کو وفات پائی[77]۔

قحط سالی اور حج کی عام اجازت 1197ھ/1785ء

1197ھ میں عبدالعزیز(حرسہ اللہ تعالیٰ) نے سرور والی مکہ مشرفہ کو گھوڑے،سواریاں اور مختلف چیزیں ہدیہ بھیجیں۔اس تعظیم وتکریم اور ہدایا سے اصل غرض ،اہل دین واسلام (یعنی نجد اتباع شیخ الاسلام مدظلہ العالی) کے لئے ادائے فرض (التزام رکن الخامس) کی عام اجازت حاصل کرنی تھی، جس سے وہ سالہا سال سے روک دیئے گئے تھے،اور جس کی بجاآوری کے لئے ان کے دل تڑپ رہے تھے۔۔۔۔۔تو اس سال سبھوں نے حج کیا، کوئی تین سو آدمی ہوں گے[78]۔

ابنِ بشر نے اس کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ فلبی نے "اجازت" اوراس کے اسباب و نتائج پر مفصل گفتگو کی ہے 1197ھ/1785ء کی قحط سالی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"۔۔۔۔۔تاہم (یعنی امیر عبدالعزیز کی تمام کوششوں کے باوجود) اس قحط سالی سے جو دو سال تک رہی پورے عرب کو کافی نقصان پہنچا قابل لحاظ بات یہ کہ جب شریف اعظم سرور نے وہابی حاکم کو اس پابندی کے اٹھائے جانے کی اطلاع دی[79]، جو ان کے آزادانہ حج پر چند سال پہلے عائد کردی گئی تھی تو قحط سالی کے سبب سے صرف تین سو آدمی فائدہ اٹھا سکے۔ وہابیوں کو حج کی دوبارہ اجازت اُس دور کی عربی تاریخ میں خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ سرور عملاً قسطنطنیہ کے برائے نام Titular خلیفہ کے اقتدار سے بالکل آزاد ہو چکا تھا، اوراب اس نے عسیر اور نجد کے حدود کی طرف تاخت شروع کردی تھی۔ وہابیوں کے خلاف امتناع حج کا حکم بھی اس نے اپنی برتری منوانے کا ایک ذریعہ بنانا چاہا تھا، لیکن وہابیوں نے اس کی برتری تسلیم نہیں کی۔ اور امتناع حج کا بدلہ انہوں نے یہ لیا کہ عراق و فارس کے حاجیوں کے قافلے جو وہابی علاقے سے گزرتے تھے، نجدی دستوں کی چھیڑ چھاڑ کا شکار ہونے لگے۔ یہ شریف سرور کی طاقت سے باہر تھا کہ ان قافلوں کی حفاظت کا ذمہ لے سکے، نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد کے ترکی پاشا نے قافلوں کی روانگی روک دی۔ اس لئے کہ فارس کی حکومت صحراء کی تکلیفوں کا الزام پاشائے بغداد ہی پر ڈالتی تھی۔ اُن دنوں حجاز کا سارادار و مدار انہیں قافلوں پر تھا، جو خشکی کے ذریعے حج کو آتے تھے۔ مکہ اور مدینہ کے تاجروں نے تنگ آکر شریف کو نجدی حکومت سے تعلقات استوار کرنے پر مجبور کیا۔ سرور کے لئے جھکنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ اور گھوڑوں اور اونٹوں کا تحفہ جو وہابی حاکم نے قحط سالی کے سال شریف کو بھیجا، اس سے دونوں حکومتوں کے تعلقات کی شگفتگی سب لوگوں پر ظاہر ہوگئی۔۔۔۔۔ الخ

لیکن یہ اجازت بھی عارضی ثابت ہوئی[80]۔

دوسرا نجدی وفد 1204ھ/1790ء

سرور شریف کا انتقال 1202ھ میں ہوا، اس کے بعد عبدالمعین بن مساعد والی ہوا، پھر غالب بن مساعد امیر مقرر ہوا۔ یہی شریف غالب ہے، جس کے عہد میں اہل نجد اور حجازیوں اور مصریوں کے درمیان معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ مورخوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کشمکش سے بچنا چاہتا تھا، لیکن علماء نے صلح نہ ہونے دی۔

واقعہ کچھ بھی ہو، شریف غالب (1202ھ-1238ھ) کی معاملہ فہمی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لینے کے کچھ ہی بعد (دو برس بعد) امیر عبدالعزیز سے ایک ایسے عالم کی فرمائش کی ،جو شیخ الاسلام کی دعوت پر گفتگو کر سکے، امیر عبدالعزیز نے خوشی خوشی دعوت قبول کی اور شیخ عبدالعزیز بن الحصین کو (جو پہلے وفد کے رئیس بنا کر بھیجے گئے تھے) اس خدمت پر مامور کیا۔ خود شیخ الاسلام نے اپنے دستِ خاص سے لکھ کر خط دیا جس میں پہلے وفد کے حوالے کے ساتھ وہ دلیلیں تفصیل سے بیان کی گئیں، جن سے اُس وقت علمائے مکہ مطمئن ہو گئے تھے۔ غالب نے شیخ عبدالعزیز بن الحصین کا پر تپاک خیر مقدم کیا۔ دیر تک گفتگو کی اور ان کے دلائل کی اہمیت اور سچائی تسلیم کی۔ لیکن مقامی علماء کے بہکانے سے وہ اپنے خیال سے پھر گیا "فقیہان حرم" نے اسے یہ سوجھایا کہ "تم نے ابن سعود کی اطاعت قبول کی تو شریفی امارت پر آل سعود کا قبضہ ہو جائے گا" بات لگتی ہوئی تھی غالب کے دل سے لگ گئی اور نجدی اقتدار کے ہوّے نے اسے قبول حق سے باز رکھا، جس کا خمیازہ تمام دنیائے اسلام کو بھگتنا پڑا۔ شیخ عبدالعزیز نے اصرار بھی کیا کہ مقامی علماء کی ایک مجلس ترتیب دی جائے اور مختلف فیہ مسئلوں پر کھل کر گفتگو کی جائے۔ لیکن مقامی علماء اس پر راضی نہ ہوئے اور انہوں نے صاف صاف اعلان کیا:

> "ان وہابیوں کے ساتھ گفت وشنید بے کار ہے، کہ ان کے عقائد ہمارے اسلاف کے عقائد کے بالکل برعکس ہیں"۔

اگر فقیہان حرام کا رویہ ناعاقبت اندیس نہ ہوتا، اور شریف غالب اور امیر عبدالعزیز کے درمیان مفاہمت ہو جاتی، تو مسلمانوں کا کتنا قیمتی خون ضائع ہونے سے بچ جاتا[81]؟

تعجب ہے کہ ابن بشر نے اس قدر اہم واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔

تیسرا نجدی وفد 1211ھ/1797ء

دوسرے وفد کی ناکامی کے بعد طرفین میں چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔ 1205ھ/1791ء میں خود غالب نے پہل کی یہ سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ درمیان میں صلح بھی ہوتی رہی۔ اس اثناء میں نجدی فوجیں جزیرۃ العرب کے باقی علاقوں میں اپنا اثر ونفوذ بڑھاتی رہیں۔ تاآنکہ 1211ھ میں انہوں نے احساء کے پاس جزیر علماء پر حملہ کیا اور کامیاب لوٹے[82]۔ نجدی طاقت کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر شریف غالب نے ایک مرتبہ پھر سلسلہ جنبانی کی ۔امیر عبدالعزیز کو ایک خط بھیجا اور ایک ایسے نجدی عالم کے بھیجنے کی درخواست کی، جو موحدین کا مسلک اہل مکہ کے سامنے پیش کر سکے، پہلے دونوں وفد شیخ الاسلام کی زندگی میں اور ان کی ہدایتوں کا نوشتہ

ساتھ لے کر گئے تیسرے وفد کا مطالبہ ان کے انتقال (1206ھ) کے بعد ہوا۔تاہم امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود نے فوراً دعوت قبول کرلی اس لئے کہ اسے تبلیغ سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں تھی۔ شیخ الاسلام کے ایک ممتاز شاگرد شیخ احمد بن ناصر بن عثمان بن معمر اس خدمت پر مامور ہوئے۔احمد بن ناصر اور ان کے ساتھی پہلے طواف سے فارغ ہوئے۔اس کے بعد امیر عبدالعزیز کے تحفے شریف کی خدمت میں پیش کئے۔ان کا استقبال نہایت دوستانہ ہوا اور مسلسل کئی دنوں تک مقامی علماء سے گفتگو ہوتی رہی۔آخر میں شیخ احمد ناصر کی خدمت میں کچھ سوالات پیش ہوئے اور تحریری جواب کا مطالبہ کیا گیا۔ شیخ احمد بن ناصر نے مفصل اور مدلل تحریری جواب دیا جو ایک رسالہ کی صورت میں "الفواکه العذاب فی الرد علی من لم یحکم السنة والکتاب" کے نام سے چھپ گیا ہے[83]۔اس رسالے میں خاص طور پر دو مسئلوں سے بحث کی گئی ہے:

1- شفاعت اور استغاثہ
2- تارکین صلاۃ کی تکفیر اور ان سے قتال

(آگے چل کر ان مسئلوں پر تفصیلی گفتگو ہو گی،اس لئے یہاں اس رسالہ کے موضوعِ بحث کو چھیڑنا مناسب نہیں)

یہ مناظرہ رجب 1211ھ میں غالب کے سامنے بھری مجلس میں ہوا تھا۔ابن غنام نے 1211ھ کے حوادث کے ضمن میں قلم بند کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وہ (علمائے مکہ مکرمہ) شیخ احمد ناصر کے دلیلوں کی قوت کو تسلیم کرنے کے باوجود قبولِ حق پر آمادہ نہ ہوئے"۔

"انهم اعترفوا باستقامه حجة ومع ذلك جحدوا"۔الخ

ابن غنام نے پورا رسالہ بھی نقل کر دیا ہے[84]۔ فلبی[85] نے بھی اس وفد اور مناظرہ کی پوری روداد درج کی ہے، تعجب ہے ابن بشر نے اس وفد کا بھی مطلق ذکر نہیں کیا۔

وفد کے رئیس شیخ احمد بن ناصر بن معمر کے متعلق بھی دو حرف لکھنا نامناسب نہ ہوگا۔پہلے اور دوسرے وفد کے رئیس شیخ عبدالعزیز الحصین (ف 1237ھ) کی طرح یہ بھی شیخ الاسلام کی شاگردی کا شرف رکھتے تھے۔ شیخ الاسلام کے علاوہ ان کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب (ف 1208ھ) اور ان کے شاگرد سیرت نگار ابن غنام (ف 1225ھ) سے بھی مستفید ہوئے تھے۔درعیہ

میں عرصہ تک عہدہ قضاء پر ماموررہے۔امیر سعود بن عبدالعزیز(1218-1229) نے انہیں درس وافتاء کے لئے مکہ مکرمہ بھیجا تھا،اور وہیں وفات پائی[86]۔(وسط ذی الحجہ 1225ھ آغاز جنوری 1811ء)۔

جنگ کے بعد صلح 1213ھ

اب نجدی وہابیوں کی کامیابیاں اتنی بڑھیں کہ 'باب عالی[87]' کو بھی فکردامنگیر ہوئی۔ سلیمان پاشا، والی بغداد کے ذمہ یہ مہم کی گئی تھی سلیمان نے ثوینی اور علی پاشا کی سرکردگی میں بالترتیب فوجیں[88] بھیجیں جو ناکام واپس آئیں پھر کیا تھا، نجدی فوجیں عراق کی سرحد پر مسلسل دھاوے کرنے لگیں۔امیر عبدالعزیز نے بڑھ کر بحرین اور سواحل عمان پر قبضہ کر لیا، جو بصرہ اور بغداد کے ترک حاکموں کے حملوں کے باوجود مستحکم ہوتا گیا۔

نجدیوں پر امتناع حج کی پابندی اور بدلے میں ان کا عراق پر حملہ اور عراقی قافلے کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا اشراف مکہ کے لئے ہمیشہ خلجان کا باعث رہا۔اور اسی دباؤ سے مجبور ہو کر انہوں نے بارہا حج کی عارضی اجازت دی اور وفود طلب کئے، فوج کشی کی ٹھانی۔ غالب کا یہ رویہ برابر قائم رہا،اور اس نے 1205ھ/1790ء،1210ھ/1795ء،1212ھ/1798ء میں مسلسل تیاریوں کے بعد حملے کئے اور ہمیشہ ناکام رہا[89]۔آخری سخت معرکہ 1212ھ[90] میں پیش آیا۔اور غالب کو خرمہ(تربہ کے قریب ایک مشہور گاؤں) کے مقام پر بُری شکست ہوئی۔اور اس کے ہزاروں آدمی کام آئے۔ تو اس کے لئے صلح جوئی اور حج کی اجازت دینے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ رہا۔ دونوں علاقوں کے درمیان حدبندی کر دی گئی۔ عتیبہ، حرب اور عسیر کا شمالی علاقہ شریف کی حدودِ مملکت میں رہا۔یہ صلح آخر جمادی الاولیٰ 1213ھ/دسمبر 1798ء میں ہوئی[91]۔اور 1213ھ سے 1215ھ تک نجدی حجاج، اور ان کے ساتھ عراقی قافلے، امن وامان کے ساتھ فریضۂ حج ادا کرتے رہے۔

حج 1213ھ

خرمہ کے واقعہ کے بعد شریف نے عبدالعزیز کے پاس قاصد بھیجا اور صلح کی خواہش کی جسے امیر نے قبول کیا اور شریف نے اہل نجد کو حج کی اجازت دی۔

اس سال نجد کاایک قافلہ حج سے مشرف ہواجس میں شیخ الاسلام کے دوفرزند علی بن محمداورابرہیم بن محمد بھی تھے[92] دونوں کے درمیان عہدوپیمان مکمل ہوگئے۔جنگ کی موقوفی اورامن وامان کااعلان کردیاگیا۔وہابیوں کوحج بیت اللہ کی اجازت ملی۔اورلوگوں کو ان کے ساتھ کسی قسم کاتعرض کرنے سے روک دیاگیا۔توہر طرف سے وہ مکہ کی طرف لپکے۔اللہ تعالیٰ کی بھی عجب شان ہے[93](!!)

احمد دحلان احمد بن ناصر کے حج کا بھی ذکر کرتاہے، لیکن ابن بشر دوسرے اعیان کے ضمن میں ان کانام نہیں لیتا۔

اس سال خودامیر عبدالعزیز یاسعود بن عبدالعزیز حج سے مشرف نہ ہوسکے۔سلیمان پاشانے اپنے نائب علی پاشاکی سرکردگی میں عظیم الشان فوج ان کے مقابلے کے لئے بھیجی تھی۔اس مہم کی تیاریوں میں دونوں باپ بیٹے اُلجھے رہے۔یہ رمضان۔ذی قعدہ 1213ھ/1799ءکاذکرہے۔

حج1214ھ

اس سال سعود بن عبدالعزیز پہلی مرتبہ حج سے مشرف ہوا۔اہل نجد جنوب الاحساءاور بدووں کی ایک بڑی تعداد وہ اپنے ساتھ لے گیاتھا۔یہ حج بہت شاندار طریقہ پر اداہوا۔نہایت اچھی طرح عمرہ اداکیااور حج سے فارغ ہوئے کوئی تکلیف نہیں پہنچی اورامن وامان سے واپس آئے۔وللہ الحمد والمنۃ[94]

اور14ھ میں سعود بن عبدالعزیز نے حج کیا۔اس کے ساتھ بے شمار آدمی تھے(**قومٌ کالرّحال**)مولاناشریف اور وہ ایک خیمہ میں ملے،جوان کے لئے ابطح میں نصب کیاگیاتھا۔28ذی الحج مئی1800ءکوواپس ہوا[95]۔

حج1215ھ

اس سال عبدالعزیز بن محمد بن سعودنے خودزیارت بیت اللہ کا قصد کیاتھا۔اور اہل نجد واطراف نجد کی بڑی تعداد لے کر وہ روانہ ہوئے لیکن سات دن برابر سفر کے بعد وہ چورہوگئےاور سعود بن عبدالعزیز کے اصرار پر وہ لوٹ گئےاورامیر سعود بن عبدالعزیزنے تزک واحتشام کے ساتھ حج کیا۔ہزاروں ہزار صدقات اور بخشش کے طورپر تقسیم کئے۔یہ ان کا دوسرا حج تھا[96]۔ان دونوں سالوں میں حج کے قافلے نجد کے حدود سے ہوکرامن وامان سے گزرے۔خود سعود بن عبدالعزیزنے بہ نفس نفیس نگرانی کی ،دوسرے سال عمان کافرماں روابھی حج سے مشرف ہوا[97]۔

1212ھ سے 1215ھ تک واقعات اور حج کی یہ ترتیب مستند ماخذ سے لی گئی ہے امیر شکیب کے بیان[98] میں غالباً کسی یورپی ماخذ پر اعتماد کے باعث ترتیب الجھ گئی ہے۔ اور صلح و حج کے سنین کا پتہ نہیں چلتا۔ اسی طرح مارد تمان کے مقالے[99] میں گو سنین ٹھیک ہیں لیکن ترتیب الٹی پلٹی ہے۔

کربلاء پر حملہ: 1216ھ/1802ء

نجدیوں کا حملہ کربلاء و نجف اور بلد الحسین کی بے حرمتی کی داستان بہت کچھ رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ ہم یہاں صحیح ترین واقعات مختصر طور پر درج کرتے ہیں:

> ''حجاج کے قافلوں پر واپسی میں عراق کے قبیلوں نے حملہ کیا۔ جنہیں یقینی طور سے اوپر سے ہدایت تھی تاکہ وہابیوں کے قافلہ کے انتظام اور ان کی ذمہ داری پر حرف لگایا جاسکے۔۔۔۔لیکن وہابیوں کے تعلقات بغداد اور اشراف کے ساتھ زیادہ دنوں تک دوستانہ نہ رہ سکے۔ سعود بن عبدالعزیز نے شہر کربلاء پر 18 ذی الحجہ 10216ھ (21 اپریل 1802ء) کو حملہ کیا، تاکہ شیعی قبیلہ خزاعل کے وہابی قافلہ پر حملہ کا انتقام لیا جاسکے[100]۔۔۔۔(مارد تمان)

> اور اس سال (1216ھ) سعود تمام نجد، جنوب، حجاز اور تہامہ سے ایک لشکر جرار لے کر کربلاء کے ارادہ سے چلا اور بلد الحسین کے باشندوں پر اس نے دھاوا بول دیا۔ اس کی دیواروں پر چڑھ گئے، اور زبردستی (عنوۃ) داخل ہوگئے، اور اکثر باشندوں کو گھروں اور بازاروں میں تہ تیغ کر دیا۔ اور اس قبہ کو جو ان کے اعتقاد کے مطابق حسین (رضی اللہ عنہ) کی قبر پر بنایا گیا تھا، ہدم کر دیا۔ قبہ اور اس کے آس پاس اور چڑھاوے (**النصیحۃ التی وضعوھا علی القبر**) کی تمام چیزیں لے لیں قبہ۔ زمرد، یاقوت اور جواہر سے آراستہ تھا، اور اس کے علاوہ شہر میں جو کچھ مال و متاع (ہتھیار، لباس، سونا، چاندی، قیمتی مصاحف اور بے شمار چیزیں) ملا سب لے لیا اور شہر میں ایک پہر سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ (**ولم یلبثوا فیھا الاضحوۃ**) اور ظہر کے وقت تمام مال لے کر وہاں سے نکل آئے اور اس کے باشندوں میں سے تقریباً دو ہزار آدمی قتل کئے گئے[101]''۔

اس واقعہ سے اہل نجد کی کتنی ہی تسکین ہوں نہ ہو، لیکن عام مسلمانوں خاص کر ایران کے شیعوں میں اس سے بڑی برہمی پھیلی کہا جاتا ہے کہ ''فتح علی شاہ قاچار'' (1212ھ/1798ء-1250ھ/1834ء) نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ نجد پر فوج کشی کرنی چاہی تھی اور سلیمان پاشا، حاکم بغداد بھی ایک بڑی فوج تیار کر رہا تھا، لیکن اہل ایران کی روس سے چھڑ گئی اور سلیمان کردوں کی بغاوفرو کرنے میں الجھ گیا، اس لئے ان کے ارادے پورے نہ ہو سکے[102]۔

فتح علی شاہ قاچار شاہ ایران کی برہمی تو قرین قیاس ہے، لیکن نجد پر فوج کشی کے ارادے کی تصدیق دوسری تاریخوں سے نہیں ہوتی۔ مشرقی کتاب خانہ پٹنہ کے ایک مخطوطہ[103] سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اس میں امیر سعود بن عبدالعزیز کی طرف سے فارسی میں فتح علی شاہ قاچار کے نام ایک خط ہے جس میں باشندگانِ نجف کے مشرکانہ اعمال کی برائی کے ساتھ ساتھ ان کے قتل کا بھی ذکر ہے۔ نیز یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اگر فتح علی شاہ نے ان برائیوں کے قلع قمع کرنے کی کوشش نہ کی تو امیر نجد کو مجبوراً سخت کاروائی کرنا پڑے گی۔ اس خط کے ساتھ فتح علی شاہ کا جواب بھی ہے، جس میں شاہ قاچار نے امیر نجد کو تنبیہ اور ان ''مظالم'' سے باز رہنے کی تاکید کی ہے۔ خط سے پہلے مختصر الفاظ میں شیخ الاسلام کی 'دعوت' کی تشریح (افادات) ہے۔ یہ افادات سعود بن عبدالعزیز کی طرف سے ہیں، اور اصل مکتوب امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود کی طرف سے لکھا گیا ہے۔ حملۂ کربلا کے وقت امیر عبدالعزیز حکمران تھا اور سعود بن عبدالعزیز ولی عہد اور سپہ سالار، اس لئے دونوں کا نام ہونا قرین قیاس بھی ہے۔

یہ مختصر مخطوطہ 1219ھ/1804ء کا لکھا ہوا ہے یعنی واقعہ کے صرف تین سال بعد اس کی کتابت ہوئی ہے۔ خطوط پر تاریخ درج نہیں بہر حال وہ حملہ کربلاء سے متصل ہی لکھے گئے ہیں، اور اس میں فتح علی شاہ کا مجوزہ حملہ کا کوئی ذکر نہیں۔ پھر ہمیں فلبی کے بیان[104] سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ 1808ء میں فتح علی شاہ اور سعود بن عبدالعزیز کے تعلقات اچھے اور دوستانہ تھے، اس لئے ہم شاہ ایران کے مجوزہ حملہ نجد کے متعلق وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

رہا سلیمان پاشا حاکم عراق کا حملہ سو اس کے بارے میں اتنا معلوم ہے کہ 1217ھ میں یعنی حملہ کربلاء کے کچھ ہی بعد کا اس کا انتقال ہو گیا[105]۔

صلح کا خاتمہ 1217ھ

واقعہ خرمہ کے بعد جو صلح فریقین کے درمیان ہوئی تھی،وہ بھی زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکی شریف غالب کو نجدی فوجوں کی زیادتی اور معاہدے کی خلاف ورزی کی شکایت ہوئی۔ خطوط سے مسئلہ طے نہ ہوا، تو شریف نے اپنے وزیر عثمان مضایفی کو گفت وشنید کے لئے بھیجا، لیکن وہ وہاں جا کر ان کے حلقہ میں داخل ہو گیا۔اور واپسی پر اپنے نئے حلیفوں کی طرف سے غالب کو دعوت مبازرت دی۔

ادھر غالب اوراس کے بھائی عبدالمعین میں ان بن ہو گئی۔ عبدالمعین نے سعود سے مدد طلب کی۔ طائف کے قریب ایک جھڑپ ہوئی۔ پھر غالب طائف میں قلعہ بند ہو گیا، لیکن اسے زک اٹھانی پڑی۔اور طائف پر سعودی فوج کا قبضہ ہو گیا،اور عثمان مضایفی حجاز کا حاکم مقرر ہوا[106]۔اور نجدی فوجیں اطراف ونواح میں پھیل گئیں،اب ان کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف تھا۔

حج کا موسم قریب تھا، شامی قافلہ عبداللہ پاشا کی سرکردگی میں حرم سے صرف تین دن کے فاصلہ پر آکر رکا، سعود سے صلح ہو گئی۔ شرط یہ ہوئی کہ قافلہ تین دن میں مراسم حج سے فارغ ہو کر الٹے پاؤں واپس چلا جائے۔ غالب نے عبداللہ پاشا سے درمیان میں پڑنے کی درخواست کی، لیکن وہ شرط کے مطابق حج سے فارغ ہوتے ہی واپس ہو گیا،اور غالب کی التجا بے کار ہو گئی[107]۔

مکہ مکرمہ کا فاتحانہ داخلہ محرم 1218ھ اپریل 1803ء

حج کے ختم ہوتے ہی غالب نے جدہ جا کر پناہ لی اور سعود بن عبدالعزیز، یوم شنبہ 8 محرم الحرام (30 اپریل 1803ء[108]) کو ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ باشندوں کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں کی گئی۔امیر سعود بن عبدالعزیز نے غالب کے بھائی عبدالمعین کو مکہ مکرمہ کا امیر مقرر کیا اور خود ''اصلاح'' کی طرف توجہ کی۔

> ''۔۔۔۔سعود نے باشندوں کو امان دی صدقات وعطیات دل کھول کر تقسیم کئے۔جب سعود اور مسلمان ،طواف اور سعی سے فارغ ہوئے، تو اہل 'نواحی' قبوں اور 'شرکیہ مشاہد' کے انہدام پر مامور کئے گئے۔
>
> مکہ مکرمہ کے ہر حصہ میں اس قسم کی چیزیں بہ کثرت تھیں سعود نے کوئی بیس دن قیام کیا۔اور اس دوران 'مسلمان' ان قبوں کو گراتے رہے۔تاآنکہ مکہ کے تمام 'مشاہد' اور 'قبے' زمین کے برابر کر دیئے گئے[109]۔
>
> سعود، عبدالمعین کو 'امیر' بنا کر خود کو حرم کو مشرکانہ آلودگیوں سے پاک کرنے کی طرف متوجہ ہو گیا۔کعبہ کے جواہر اور قیمتی ذخیرے فاتحین میں تقسیم کر دیئے گئے۔قبے گرائے گئے اور بعض مجاور قتل بھی کئے گئے[110]۔

ابن بشر جواہرات کی تقسیم اور مجاوروں کے قتل کا بالکل ذکر نہیں کرتا۔

یہ سعود کے داخلہ مکہ کا ایک رخ تھا۔جو شیاد عام لوگوں کے نزدیک مقبول نہ ہو،اس 'فتح' کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو۔ایک پادری (Hughes) کا بیان ہے:

''حرم کی تقدیس کے باعث باشندوں کو ادنی گزند نہیں پہنچا۔اور اہل نجد کے صاحب 'امر' ہونے کے بعد مسجدیں اس طرح آباد ہوئیں کہ 'بلد امین' میں طاعت وزہد کی یہ مثال عہد نبوت کے بعد دیکھنے میں نہیں آئی تھی[111]۔

ایک اور یورپی معاصر (برک ہارٹ) لکھتا ہے:

''مقدس شہر میں داخل ہونے پر فوج نے کوئی نارواحرکت نہیں کی تمام دکانیں دوسرے روز کھل گئیں اور فوجیوں نے ضرورت کی تمام چیزیں نقد قیمت دے کر خرید کیں[112]۔

ایک دوسری جگہ یہی برک ہاٹ لکھتا ہے:

''اہل مکہ اب سعود تک سعود کا نام جذبۂ امتنان کے ساتھ لیتے ہیں، مختلف زیارتوں اور حج کے موقعوں پر فوج کا قابل تعریف رویہ، خاص طور پر یاد کیا جاتا ہے، بلد الحرام میں پہلے داخلے کے وقت اس کی سپاہ کا منصفانہ برتاؤ اب تک ان کے ذہن سے محو نہیں ہوا''[113]۔

اس کے علاوہ نماز باجماعت کی پابندی پر مجبور کیا گیا اور ریشمی کپڑے اور تمباکو کے آلات ضائع کردیئے گئے، غیر اسلامی ٹیکس اور چنگیاں روک دی گئیں[114]۔مکرر جماعتیں بھی روک دی گئیں۔اور مختلف فقہی مذاہب کے علماء مختلف وقتوں میں امامت کرنے لگے[115]۔

اہل نجد کے عقائد اور طریقِ عمل کی توضیح کے لئے شیخ عبداللہ بن شیخ الاسلام نے قلم سے لکھوا کر ایک رسالہ عام طور پر تقسیم کیا گیا[116]۔اس رسالے میں قبوں اور زاویوں کے انہدام کا صاف صاف ذکر کیا گیا ہے، نیز دوسرے مختلف فیہ مسئلوں پر گفتگو کی گئی ہے۔دحلان[117] کے بیان کے مطابق شیخ الاسلام کے رسالہ کشف الشبہات کے پڑھنے پڑھانے کا بھی حکم ہوا۔

ابھی غالب کے جدہ میں پناہ لینے کا ذکر آچکاہے مکہ مکرمہ میں صرف چودہ دن قیام کے بعد سعود نے اس کا تعاقب کیا،(22محرم1218ھ)لیکن حملہ ناکام رہا،اس کی سپاہ پلیگ کا شکار ہوگئی۔ مجبوراًاسے سردست حجاز کا خیال چھوڑناپڑا مکہ میں اس کے دوسوآدمی رہ گئے تھے،جو بری طرح ذبح کئے گئے[118]۔

امیر عبدالعزیز کی شہادت رجب1218ھ

18رجب1218ھ میں (4نومبر1803ء)کوامیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود حسب معمول درعیہ میں عصر کی نمازپڑھارہا تھاکہ عین سجدہ کی حالت میں ایک جفاکارنے اسے خنجر سے شہید کردیا۔خیال کیاجاتاہے کہ قاتل کوئی ایرانی یاکرد ی[119]شیعہ تھا،جس کے کئی لڑکے کربلاء میں نجدیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے،اور وہ انتقام کے ارادہ سے درعیہ میں قیام پذیر تھا۔غریب صورت اور دیش منش پاکرامیر عبدالعزیز نے اس کی کافی خاطر ومدارات بھی کی۔ایک سال انتظار کے بعد آخراسے موقع ملااورامیر عبدالعزیز کاکام تمام کرکے اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

عبدالعزیز بن محمد بن سعود نے 1179ھ/1765ءسے ط1218ھ/1803ءتک کل انتالیس سال حکومت کی اور اس کی حکومت کا بیشتر حصہ خود شیخ الاسلام کی نگرانی میں گزرا۔1200ھ/1792ءتک عبدالعزیز نے نمایاں حیثیت تواپنے والدہی کے عہد میں حاصل کرلی تھی اور تمام اہم معرکے(1159ھ/1744ء سے 1179ھ/1765ء)اسی کی قیادت میں سرہوئے تھے۔بالکل اسی طرح جیسے اس کے دور حکومت میں تمام اہم لڑائیاں اس کے ولی عہد سعود بن عبدالعزیز کی سرکردگی میں لڑی گئیں۔امیر عبدالعزیز نے خود شیخ الاسلام کی صحبت اٹھائی تھی،اس لئے تبلیغ ودعوت کا شوق اس کے دل ودماغ میں سمایاہواتھا۔جو علاقہ فتح ہوتا،وہ وہاں سب سے پہلے مبلغین اور متطوعین کا تقرر کرتا۔رعایاپررحم دلی اس کی خمیر میں داخل تھی۔یہ موقع تفصیل کا نہیں ہے،اس کے محاسن ومعمولات ابن بشر[120]نے اچھی طرح بیان کئے ہیں،ہم صرف قاضی محمد علی شوکانی 1173ھ/1760ء-1250ھ/1832ء)کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں۔شوکانی امیر عبدالعزیز کے معاصر تھے،اوران پر شیخ الاسلام کی ہم مشربی کا'' الزام''بھی نہیں عائد کیاجاسکتا:

''۔۔۔۔جواس کی حکومت میں داخل ہوتا،نماز،زکوۃ،روزہ اور تمام شعائراسلام کا پابند ہوجاتا۔اس کے حلقہ طاعت میں شام ۔۔۔کے عرب داخل ہوئے اور فرائض دین کے سخت پابند ہوگئے،حالانکہ اس سے پہلے وہ

اسلام کچھ نہیں جانتے تھے،اور غلچ سلط کلمۂ شہادت ادا کرنے کے سوا کوئی رکن ادا نہیں کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اس سے پہلے وہ بالکل جہالت میں گھرے ہوئے تھے اور اب نمازیں وقت پر ادا کرنے لگے ہیں''[121]۔

برک ہارٹ[122] نے بھی اس کی تبلیغی کوششوں، قاضیوں کا تقرر، قاضیوں کی انصاف پرستی وغیرہ کا شاندار الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

سعود بن عبد العزیز1218ھ/1803ء– 1229ھ/1814ء

امیر عبد العزیز کی شہادت کے بعد اس کا بیٹا سعود امیر مقرر ہوا۔ سعود کے لئے 'امارت' کی بیعت شیخ الاسلام کی زندگی ہی میں ان کی ایماء سے لی جاچکی تھی[123]۔

سعود زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے باپ کے نقش قدم پر دعوت و حکومت کی توسیع میں سرگرم ہوگیا،اور دور دراز کے فوجی مہمات کی سرکردگی ،اپنے بیٹے عبداللہ کے سپرد کی۔عبداللہ نے ایک طرف حجاز میں خیبر کو سرنگوں کیا،اور دوسری طرف بحرین ،عمان اور راس الخیمہ تک اپنی فتوحات کی دھاک بٹھادی۔

اب باب عالی کو بھی فکر دامن گیر ہوئی۔ علی پاشا حاکم عراق،عبداللہ پاشا حاکم دمشق اور شریف پاشا حاکم جدہ تینوں کو اس خطرہ کی بیخ کنی کا حکم ہوا۔ عراق میں عربوں اور کردوں کی ایک بڑی فوج تیار کی گئی، لیکن یہ تیاریاں وقت پر مکمل نہ ہوئیں،ادھر سعود کو موقع ملا،اور اس نے بصرہ پر دھاوا کر دیا۔ علی پاشا،حلہ میں قلعہ بند تھا،اسے چھوڑ کر نجدی فوجیں زبیر پر حملہ آور ہوئیں اور وہاں کے تمام قبے اور غیر شرعی مشاہد گرا کر واپس ہوئیں[124]۔سعود تو کامیاب لوٹا اور علی پاشا کردستان کی ایک بغاوت فرو کرنے میں اُلجھ گیا اور اس کی مہم ناکام رہی[125]۔

مکہ مکرمہ کی دوبارہ فتح1220ھ/1806ء

اب سعود کو ہر طرف سے اطمینان ہوگیا۔عمان اور ساحلی علاقے اس کی برتری اور اقتدار تسلیم ہی کر چکے تھے۔ عراق کی طرف سے جو اطمینان ہوا تو اس نے پھر حجاز کو زیر نگیں کرنے کا تہیہ کیا[126]۔عثمان مضایفی نے بلا پس وپیش طائف پر قبضہ کر لیا،اور 1220ھ/1805ء کے آغاز میں اہل مدینہ نے بھی اطاعت قبول کرلی۔اور سمع وطاعت کا عہد کیا حسب دستور مدینہ منورہ میں عام قبروں کے قبے اور زیارت گاہیں منہدم کر دی گئیں[127]۔

اسی اثناء میں نجدی فوجیں جو آس پاس کے تمام علاقوں پر قابض ہو چکی تھیں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئیں۔حج کا زمانہ قریب آگیا تھا، شامی قافلہ محاصرہ کی وجہ سے رک گیا۔ادھر اہل مکہ پریشان ہوئے، مجبوراً غالب نے امان طلب کی اور سعود کی اطاعت کا عہد کیا[128]۔شامی قافلے کو حج کی اجازت ملی، غالب نے اطاعت کے ثبوت میں سعود کے پاس تحفے بھیجے اور اس نے اپنے سرداروں عبدالوہاب ابو نقط اور عثمان مضایفی کے منظور کردہ صلح کی تصدیق کی پھر کیا تھا امن و خوش حالی کا دور دورہ ہوا قحط سالی ختم ہوئی اور تمام راستے پر امن ہو گئے [129]۔

دو یورپی محقق (برک ہارٹ اور براڈج) جو ان واقعات کے تقریباً عینی شاہد ہیں، ان سب سے الگ واقعہ کی نئی صورت پیش کرتے ہیں:

> "مدینہ منورہ 1804ء میں فتح ہوا۔وہاں ایک شخص حسن قلعی شہر پر قابض ہو گیا تھا اور شہر کو سعود کے سپرد کرنے سے پہلے، قبہ شریف کے خزانے پر قبضہ کر کے اس نے اپنے خاص لوگوں میں تقسیم کر دیا۔فتح کے کچھ ہی بعد سعود مدینہ پہنچا اور قبہ کھول کر جو تھوڑا بچ گیا تھا اپنے قبضے میں کر لیا[130]"۔

سعود کا تیسرا حج 1221ھ/1807ء

سعود کے دو[131] حج پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔اب دوبارہ فتح مکہ کے بعد پھر اسے زیارت بیت اللہ اور اپنی تبلیغی کوششوں کی تکمیل کا موقع ملا۔

تیسرے حج کا ارادہ کر کے وہ 12 ذی قعدہ 1221ھ (21 جنوری 1807ء) کو درعیہ سے روانہ ہوا، مکہ مکرمہ پہنچ کر اس نے اپنی حیثیت کے مطابق صدقات و عطیات تقسیم کئے۔ذی الحجہ کے آخر میں مدینہ منورہ روانہ ہوا۔اور وہاں انتظامی امور ٹھیک کر کے لوٹ گیا۔احمد دحلان حجرہ شریفہ کے زر و جواہر کے نکالنے کا ذکر کرتا ہے[132]، لیکن ابن بشر ساکت ہے۔بلنٹ [133]اور دوسرے یورپی مورخ بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔لیکن ابن بشر کے سکوت کی وجہ سے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔اگر نجف کی طرح حجرہ نبویہ کے زر و جواہر بھی سعود تصرف میں لاتا، یا سپاہیوں میں تقسیم کرتا، تو یہ نجدی معاصر ضرور ذکر کرتا۔اس لئے کہ اس کے نزدیک یہ کوئی مذموم فعل تھا ہی نہیں نجف و کربلا میں اس قسم جے واقعات، خود ابن بشر کی زبانی گزر چکے ہیں۔

البتہ جبرتی[134]خود عبداللہ بن سعود کی زبانی زر و جواہر کے لینے اور پھر ان کی واپسی کا ذکر کرتا ہے، جس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ واقعہ صحیح ہو اور ابن بشر نے نظر انداز کر دیا ہو۔

اس سفر میں چند خاص باتیں ہوئیں۔شامی قافلے کو شرطوں(باجے گاجے سے پرہیز وغیرہ)کی عدم تعمیل کے باعث واپس ہوناپڑا[135]۔سعود نے ترک فوجوں کو مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کیااور غالب نے سعود کے ہاتھ پر بیعت کی[136]۔اس حج میں سعود کے ساتھ اس کے تمام امراءاور اہل نجد و نواح نجد کی بڑی تعداد ساتھ تھی۔

حج اور اصلاحات 1222ھ-1227ھ

1221ھ/1807ء میں تیسرا حج ہوا،اوراُس کے بعد 1227ھ/1812ء تک اس نے ہر سال حج کئے،حج واجتماع کے ان موقعوں پر وہ اپنی تبلیغ کی کوششوں سے کبھی غافل نہیں رہا۔مختلف سالوں میں اس نے مختلف احکام نافذ کئے۔مصری اور شامی محمل روک دئے گئے۔نیز قافلوں کے ساتھ باجے گاجے کی یکلخت ممانعت کر دی[137]۔

''مکہ مکرمہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بول بالا ہوا۔بازاروں میں اب تمبا کو پینے والا نظر نہیں آتا۔سعود نے خاص طور پر نماز کیلئے محتسب مقرر کئے۔اذان ہوتے ہی بازاروں میں ''الصلوٰۃ الصلوٰۃ'' کی منادی ہوتی[138]۔

1225ھ/1811ء میں خود ابن بشر زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوا،وہ اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کرتا ہے:

''میں نے بھی اس سال حج کیا۔میں نے سعود کو احرام کی حالت میں ایک سواری (اونٹ) پر دیکھا۔اس سواری پر کھڑے ہو کر اس نے ایک بلیغ خطبہ دیا،جس میں لوگوں کو نصیحت کی اور آداب حج بتائے اور انہیں کلمۃ لاالٰہ الااللہ کی برکتیں (اتحاد،امن،دولت کی فراوانی اور سرکشوں کی اطاعت) یاد دلائیں۔اس نے کہا کہ وہ ایک کمزور سے کمزور کو،قوی کے مقابلہ میں،اس کا حق دلا کر رہے گا۔اسی سواری پر سے اس نے منادی کی:

مکہ مکرمہ میں کوئی ہتھیار نہ اٹھائے اور کوئی عورت آراستہ و پیراستہ ہو کر نہ نکلے۔اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا کی دھمکی دی اور بازاروں میں نماز پر آمادہ کرنے کے لئے خاص آدمی مقرر کئے۔اب تم نماز کے وقت شاید ہی کسی کو برگشتہ پاسکو۔اور ان تمام سالوں بازار میں کوئی تمبا کو یا دوسری مسکرات کھلم کھلا استعمال کرنے کی جراءت نہ کر سکا[139]۔

1226ھ/1812ء کے متعلق ابن بشر لکھتا ہے:

''اور مکہ مکرمہ میں اب کوئی منکر چیز (تمباکو نوشی، ترک صلوٰۃ اور غیر اللہ کی قسم کھانا) نہیں دکھائی پڑتی''۔

سعود بن عبدالعزیز کی اصلاحات کا سب سے زیادہ مفصل ذکر جبرتی کرتا ہے۔ محرم 1221ھ کے حوادث میں شریف غالب اور امیر سعود کی باہمی مصالحت کا ک ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔

''۔۔۔ منکرات کی گرم بازاری اس نے قطعاً روک دی۔ اسی طرح سعی اور صفا مروہ کے درمیان تمباکو نوشی بھی بند کر دی۔ جماعت کے ساتھ نمازوں کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا۔ ریشمی کپڑوں کے استعمال کی بھی ممانعت کی۔ ناروا محصول اور عام مظالم روک دیئے گئے اور وہ لوگ (اہل مکہ اور شریف مکہ) اس بارے میں حد سے گزر چکے تھے۔ اور تو اور وہ ہر لاش پر پانچ یا دس فرنک ٹیکس لیتے تھے، اور اگر مردے کے اعزا مقرر محصول نہ ادا کر سکتے، تو انہیں لاش اُٹھانے اور دفن کرنے کی اجازت نہ ملتی۔۔۔۔ اس کے علاوہ بے شمار بدعتیں اور نت نئے ناروا محصول انہوں نے ایجاد کر لئے تھے۔ بازار کی خریداری اور گھروں پر بھی محصول عائد ہوتا۔ بسا اوقات انسان اپنے گھر میں اطمینان سے بیٹھا ہوتا اور اسے یک بیک گھر خالی کرنے کا حکم ملتا۔ سرکاری ملازم کہتے کہ ''آقا کو اس گھر کی ضرورت ہے اب یا تو گھر خالی کر دو یا پھر کچھ لے دے کر مصالحت کر لو''۔۔۔۔۔

> ''۔۔۔۔ شریف نے ان سب چیزوں کے ترک کر دینے کا عہد کیا اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے، توحید، اتباع رسول اور خلفائے راشدین کے اُسوۂ کی پیروی کا عہد کیا۔ اور ان تمام چیزوں سے احتراز کا وعدہ کیا، جو لوگوں نے بعد کو پیدا کر لی ہیں، غیر اللہ سے مدد مانگنا، قبروں پر قبوں کی تعمیر، تصویروں اور نمائشی چیزوں کی بہتات چوکھٹوں کو بوسہ دینا، غیر اللہ کے لئے تذلل اور خضوع۔۔۔۔ خلاصہ یہ کہ ان تمام بدعتوں سے اجتناب کا اس نے عہد کیا جن میں کہ مخلوق کو کسی نہ کسی طرح الوہیت کا شریک گردانا جاتا ہے۔۔۔۔ ان اصلاحات کے بعد راستے مامون ہو گئے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور جدہ اور طائف کے راستے کھل گئے[140]۔۔۔۔''

برک ہارٹ نے[141] بھی نمازوں پر سختی اور سزاؤں کا ذکر کیا ہے۔

بعض دوسری فتوحات اور لڑائیاں

حجاز کی فتح پر سعود کی فوجی سرگرمیاں ختم نہیں ہوئیں۔ (1223ھ/1808ء) میں اس نے نجف پر حملہ کیا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی[142]۔ راستے میں سماوہ اور زبیر پر حملے کئے گئے۔

ربیع الآخر1225ھ (جون1810ء)میں سعودنے شام کا قصد کیااور متعدد حملوں کے بعد کافی مال ومتاع لے کر کامیاب لوٹا[143]۔اور ابن بشر کے بیان کے مطابق ''اس غزوے کی وجہ سے اہل شام کے دلوں پر سعود کی دھاک بیٹھ گئی۔

بصرہ اوراس کے نواح پر بار بار حملے ہوئے، لیکن کوئی پائیدار فائدہ نہیں ہوا۔

راس الخیمہ 1224ھ

ان لڑائیوں کے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے بھی جھڑپ ہوئی۔ خلیج فارس کے باشندے،جو قبیلہ جوازم سے تعلق رکھتے تھے،عرصہ سے تجارتی جہازوں پر دھاوے کیا کرتے تھے۔اور کامیاب رہتے اب سالہاسال سے عمان اور خلیج فارس کے ساحلی علاقوں پر سعود کا سکہ چلتا تھا،اور یہ بحری سپاہی (قرصان Pirates) بھی سعود ہی کے زیر نگیں تھے۔انیسویں صدی کے شروع میں اس ''بحری تاخت'' کے روک تھام کی انگریزوں نے بڑی کوششیں کی اور آخر حکومت بمبئی نے ستمبر 1809ء (رمضان1224ھ)میں ان کے مرکز رأس الخیمہ پر سخت حملہ کیا،اورقرصان Pirates کے بیڑہ کوکاری ضرب لگائی [144]۔12نومبر 1809ء (شوال1224ھ)تک رأس الخیمہ جلا کر راکھ کیا جاچکا تھا۔اور قرصان کو اپنار اُس الخیمہ کا مرکز چھوڑنا پڑا۔

گو اس شکست سے نجدیوں کی مقامی ساکھ قائم رہی اور عمان کے اندرونی علاقوں میں ان کی عسکری تگ وتاز جاری رہی۔ پھر زویمر کے الفاظ میں:

> ''مصریوں سے پہلے اہل نجد کو جو سب سے سخت دھکالگا،وہ یہی برطانیہ کے ہاتھوں تھا۔1809ء میں بمبئی سے الگ ایک انگریزی مہم ان کے خاص بحری مستقراور مرکز رأس الخیمہ کے ''قرصی'' باشندوں (Piratic inhabitants)کے خلاف پہنچی ۔مرکز پر بمباری کی گئی اور جلاکر خاکستر کر دیا گیا[145]۔برائج [146] نے وہابیوں کی زیادتیوں اور رأس الخیمہ پر حملہ اور پھر ان کی سزایابی کی مفصل روداد بیان کی ہے۔اور کرنل اسمتھ کا یہ قول نقل کیاہے کہ ''وہابی طاقت پر یہ پہلی اخلاقی ضرب تھی''۔

مصریوں کا حملہ 1226ھ/1811ء

اواخر 1226ھ/1811ء میں مصریوں کا حملہ شروع ہوا۔اس وقت نجدی حکومت کا اثر شمال حلب سے لے کر بحر ہند تک اور مشرق میں خلیج فارس اور عراق سے لے کر بحر قلزم تک پھیلا ہوا تھا۔اور رأس الخیمہ کی زک کو چھوڑ کر اب تک اس جواں سال حکومت کو کوئی قابل ذکر صدمہ بھی نہیں پہنچا تھا۔

نجدی اثر واقتدار کی خبریں آستانہ پہنچ رہی تھیں۔بغداد ،دمشق اور جدہ کے حاکم عاجز آچکے تھے۔آخر باب عالی نے تنگ آکر محمد علی پاشا خدیو مصر کو اہل نجد کی سر کوبی پر مامور کیا[147]۔کہا جاتا ہے کہ یہ 1804ء میں اسی شرط پر مصر کا پاشا بنایا گیا تھا''سانپ بھی مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے''شاید ایسے ہی موقع پر کہا گیا ہو۔محمد علی[148] خدیو مصر کی روز افزوں طاقت بھی باب عالی کے لئے مستقل خطرہ بنتی جا رہی تھی۔آل سعود اور خدیو مصر دونوں کی ٹکر آستانہ کے عرش نشینوں کے لئے بہر حال فائدے سے خالی نہیں تھی۔

محمد علی کا بیٹا طوسون (ف 1231ھ/1816ء) دس ہزار فوج لے کر ساحل پر اترا اور بآسانی ینبع پر قابض ہو گیا[149]۔اس کے بعد وہ مدینہ کی طرف بڑھا۔راستے میں جدیدہ کی تنگ گزر گاہ کے قریب سعود کے بیٹوں عبداللہ اور فیصل نے جم کر مقابلہ کیا اور شکست دی۔تقریباً بارہ سو مصری مقتول ہوئے[150]۔اور طوسون کو پھر ینبع کی طرف ہٹنا پڑا[151]۔

طوسون

طوسون کچھ دنوں ینبع پڑا رہا، پھر اس نے مدینہ کی طرف پیش قدمی کی اور اب کی دوماہ محاصرے کے بعد مصری مدینہ منورہ پر قابض ہو گئے[152]۔

طوسون فوراً جدہ پہنچا۔عبداللہ بن سعود، جو حجاز میں نجدی افواج کا سردار تھا،مکہ مکرمہ خالی کرنے پر مجبور ہوا اور بلد الحرام پر بلا کسی پس وپیش کے مصریوں کا قبضہ ہو گیا[153]۔کچھ ہی دنوں بعد طائف بھی ان کے قبضہ واقتدار میں آگیا۔اور احمد دحلان کے بیان کے مطابق اس فتح کی خوشی میں تمام مصری قلمرو میں پانچ روز جشن منایا گیا۔اس کے بعد طائف سے قریب تربہ کے قریب سخت معرکہ پیش آیا اور مصریوں کو شکست ہوئی[154]۔

تربہ کے اس واقعہ کے بعد سعود کے گورنر عثمان مضایفی کی ہمت بڑھی۔اور پھر اس نے طائف کی طرف پیشقدمی کی لیکن اب کے اسے زک ہوئی۔اس کے بہت سے آدمی کام آئے اور آخر وہ خود گرفتار ہوا[155]۔اور غالب نے اسے محمد علی پاشا کی خدمت میں مصر بھیج دیا محمد علی تو حجاز کے لئے رخصت سفر باندھ چکا تھا۔اس کی عدم موجودگی میں عثمان مضایفی کو ایک خچر پر بٹھا کر پورے قاہرہ میں گشت

کرایا گیا،اور اس کے بعد اسے دارالحکومت (آستانہ) بھیج دیا گیا جہاں موت اس کا انتظار کررہی تھی[156]۔احمد دحلان جس نے عثمان مضایفی کی برائی میں کوئی کسر نہیں اٹھار کھی[157]۔اس بے رحمانہ قتل پر اظہار افسوس کرتاہوا لکھتا ہے:

''عثمان مضایفی جب مصر میں تھا،تو محمد علی پاشا کے ارباب حکموت اس کی گفتگو اور فصیح زبان سے بہت متاثر ہوئے۔اس کی متانت اور وقار کا ان پر بڑااثر ہوا۔اس کے چہرہ سے امارت اور شرافت کے آثار ظاہر تھے۔۔۔۔۔یہاں تک کہ اکثر لوگ ایسے شریف آدمی کو آستانہ بھیجنے پر اظہار افسوس کرنے لگے،وہ جانتے تھے کہ دارالسلطنت پہنچ کر اس کا بچنا ناممکن ہے[158]۔الخ

جنگ اور فتح کی رفتار سے غیر مطمئن ہو کر خود محمد علی حجاز کے قصد سے روانہ ہو گیا[159]۔اوراواخر شوال میں اس نے جدہ میں قدم رکھا۔اس نے آتے ہی پہلے شریف غالب کی امارت کا خاتمہ کیا[160]۔اوراسے گرفتار کر کے مصراور وہاں سے سلونیکا بھیج دیا گیا۔جہاں غریب دوسال کے بعد دارآخرت کو سدھار گیا[161]۔غالب کے بھتیجے یحییٰ بن سرور کو برائے نام امیر بنایا گیااور تمام ملکی اختیارات حجاز کے نئے گورنر احمد پاشا کو دیدئے گئے۔حجاز کو بدنام وہابیوں کے پنجہ سے نکال کر مصر کا ایک صوبہ[162] بنادیا گیا۔اسی امارت کے پیچھے غالب نے کیا نہ کیا؟

''وہ کبھی وہابیوں کے ساتھ چاپلوسی سے پیش آتا،اوران کے عقائد کی تائید کرتا کبھی قبوں کو گرانے کا حکم دینا، کبھی مؤذنوں کو سلام (بعدالاذان) سے روکتا[163]۔

یہ سب اس لئے کہ سعود کہیں اسے معزول نہ کردے[164]۔سعود کا مقصد نیک تھا،اس نے غالب کی امارت قائم رکھی، محمد علی خالص دنیادار تھااس نے قدم رکھتے ہی سب سے پہلے اسی غریب کا خاتمہ کیا۔محمد علی نے جس عیاری کے ساتھ غالب کو گرفتار کیا ہے اس کا حال خلاصہ الکلام میں پڑھیئے[165]۔

برائج[166] نے بھی غالب کی گرفتاری کی تفصیلات دی ہیں جو خلاصۃ الکلام سے ملتی جلتی ہیں۔غالب اور محمد علی کے باہمی نزاع پر بھی اس نے کافی روشنی ڈالی ہے[167]۔غالب اور محمد علی کا ذکر کرتے ہوئے ایک دوسرے موقعہ پر وہ لکھتا ہے:

''یہ توامید ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ محمد علی اورغالب جیسے پرلے درجے کے پختہ مکار So accomplished in deceive ایک دوسرے پر اعتماد کرسکیں گے[168]۔''

برک ہارٹ نے بھی محمد علی کی بدنیتی اور مکاری کی بار بار اور سخت شکایت کی ہے[169]۔

لیکن وہ غالب کا مداح ہے، جب غالب قید ہو کر مصر پہنچا تو برک ہارٹ وہاں موجود تھا اور اس نے غالب کی ملاقات کے تاثرات قلم بند کئے ہیں[170]۔

لیکن ابھی محمد علی اور مصریوں کی حالت کوئی ایسی قابل اطمینان بھی نہیں تھی۔ حجاز، عسیر اور یمن کے ساحلی مقامات تو آسانی سے مصریوں کے قبضہ میں آگئے، لیکن اندرونی علاقے ابھی تک نجدیوں کے زیر اثر تھے۔

مصطفی بے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا، تربہ کے مقام پر پھر جنگ ہوئی، اور مصریوں کو شکست اٹھانی پڑی[171]۔ عجیب بات یہ ہے کہ نجدیوں نے یہ معرکہ ایک بہادر عورت غالیہ کی سرکردگی میں سر کیا تھا[172]۔ برک ہارٹ نے غالیہ کی بہادری کی توصیف میں زبان قلم کے خوب جوہر دکھائے ہیں۔

محرم 1829ھ (جنوری 1814ء) میں سمندر سے مصری کمک پہنچی اور قنفذہ کے قریب فریقین میں مڈ بھیڑ ہوئی اور مصریوں کو شکست ہوئی[173]۔

سعود کی وفات 1229ھ/1814ء

ابھی نجدیوں اور مصریوں کی کشمکش اس خطرناک مرحلہ سے گزر رہی تھی اور نجدی پھر از سر نو مقابلہ کی تیاری کر رہے تھے کہ برات کا دولہا ہی چل بسا۔ امیر سعود بن عبدالعزیز بن محمد بن سعود نے دوشنبہ 11 جمادی الاولیٰ 1229ھ[174]، (پہلی مئی 1814ء) کی شب کو دار آخرت کی راہ لی۔ اور محمد علی پاشا کی مہم کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ اب نجد کی نئی حکومت کے پھولنے پھلنے کی توقع سر دست جاتی رہی۔

سیرت سعود

ان لڑائیوں سے الگ بھی سعود ایک بے مثال امیر اور فرماں روا تھا، اس کی پیدائش 1160ھ یا 1163ھ میں ہوئی۔ شیخ الاسلام جیسا استاذ اور مربی ملا پھر کیا تھا، علم و عمل کا نمونہ بن کر نکلا، شیخ الاسلام کے درس میں مسلسل کئی سال تک سعود نے حاضری دی اور حدیث و فقہ میں اچھی دستگاہ حاصل کی اس کے خطبے اور مکتوب زبان اور علم دونوں کی حلاوت رکھتے ہیں۔

لڑائیوں میں عام طور پر نماز مغرب کے بعد وعظ کہتااور لوگوں کو صبر وطاعت کی تلقین کرتا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اُسوہ پیش کر کے انہیں بہادری اور ثابت قدمی پر آمادہ کیا کرتا۔

جنگوں میں انتہائی مخاصمت اور شدت کے باوجود بچوں، عورتوں، بوڑھوں پر ہاتھ نہیں اُٹھایا جاتا۔ البتہ مال غنیمت میں رعایت نہیں ہوتی ۔لڑائی ختم ہوتے ہی ''خمس''وضع کر کے مال غنیمت سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ سپاہیوں میں بھی پیادہ اور سوار کا فرق قائم رکھا جاتا۔ راجل (پیادہ) کو فارس (سوار) کا نصف ملتا۔ خلاصہ یہ کہ جنگوں میں یکسر ٹھیٹھ اسلامی قانون پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی۔

یہ تو رزم کا حال تھا، بزم کی کیفیت کچھ اور ہوتی ۔اہل درعیہ نماز صبح کے بعد روزانہ کسی عام جگہ (قصر سے باہر) جمع ہوتے۔ امیر سعود اور آل سعود صدر نشین ہوتے۔ ان کے پہلو بہ پہلو شیخ الاسلام کے اہل خاندان ہوتے، جن کا کوئی فرد درس ووعظ کی خدمت انجام دیتا صبح کی مجلس میں عام طور پر عبداللہ بن شیخ الاسلام درس دیتے۔ اکثر تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر کا سبق ہوتا۔ درس سے فارغ ہو کر وہ قصر میں جلوہ افروز ہوتا، اور عام مخلوق کی ضروریات سنتا اور ان کی شکایات دور کرتا۔ درمیان میں قیلولہ کا وقفہ ہوتا اور ظہر کے بعد قصر کے اندر درس کی مجلس مرتب ہوتی، لیکن اس وقت آل شیخ نہ ہوتے ، ظہر کے بعد ان میں سے ہر ایک کا حلقہ درس الگ جمتا۔ اس سہ پہر کے درس میں خود امیر سعود معلم کی حیثیت سے داد علم دیتا۔ عام طور پر تفسیر ابن کثیر اور ریاض الصالحین کی قراءت ہوتی اور سعود تقریر وشرح کرتا۔ درس سے فارغ ہو کر پھر دو گھنٹے رعایا کی شکایات وضروریات کے سننے اور ان کی تعمیل میں مصروف رہتا یہ سلسلہ عصر تک جاری رہتا۔

نماز مغرب کے بعد پھر قصر میں اجتماع ہوتا، اعیان وعوام سب حاضر ہوتے، عام مجلس ہوتی۔ امیر سعود بھی حاضر ہوتا، شیخ سلیمان بن عبداللہ بن شیخ الاسلام (مقتول 1233ھ) صحیح بخاری کا درس دیتے، ابن بشر (جو ان مجلسوں میں حاضر ہوتا رہا ہے) شیخ سلیمان بن عبداللہ کی وسعتِ نظر کا غیر معمولی طور پر مداح ہے۔

یہ امیر سعود بن عبدالعزیز کی اجمالی سیرت تھی تفصیل کے لئے عنوان المجد[175] کا مطالعہ کافی ہو گا۔

سعود کے تدبر اور جنگی صلاحیتوں کا برائج[176] بھی خاص طور پر ذکر کرتا ہے۔ برک ہارٹ[177] نے اس کا خاص وصف یہ بتایا ہے:

''کہ وہ حملوں میں رازداری اور اخفاء کا بہت خیال رکھتا تھا۔ حوران (شام) پہنچنے میں اسے 35 دن لگے، لیکن اس کے حملے کی خبر صرف دو دن پہلے پہنچ سکی''۔

عبدالعزیز بن سعود اور خاص کر سعود بن عبدالعزیز کے عہد میں امن وامان کا ذکر کرتے ہوئے برک ہارٹ کہتا ہے:

''غالباً پیغمبر عرب کے بعد پہلی ملک میں ایسا امن وامان قائم ہوا کہ بدوؤں کو اپنے مال ومتاع اور مویشیوں کی طرف سے بے فکر ہو کر آرام سے سونے کا موقع ملا۔۔۔۔۔الخ الخ

اسی طرح رعب کا یہ عالم تھا:

''کہ ایک معمولی حبشی غلام بڑے سے بڑے قبیلے کے سردار کو یکہ وتنہا گرفتار کر کے درعیہ لے آتا تھا[178]۔''

عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز 1229ھ/1814ء، 1233ھ/1818ء

سعود کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا عبداللہ جانشین ہوا۔ یہ بہادری میں اپنے باپ سے کم نہیں تھا، لیکن حزم وسیاست میں بہت پیچھے تھا۔ اپنے کو خطرات میں گھرا ہوا پا کر اس نے حریف سے صلح کرنی چاہی۔ اس حریف سے جو نجد کو ملیامیٹ کر دینے کی قسم کھا چکا تھا وہ صلح کیوں کرتا، اور جب اس نے صلح بھی کی، تو عہد پر قائم نہ رہ سکا۔

آیئے اب ہم میدان جنگ کی طرف پھر متوجہ ہوں بحر احمر کے ساحل قنفذہ ان کے قبضہ میں آچکا تھا۔ اب محمد علی نے عابدین بک کو ایک بڑی فوج دے کر زہران (یمن) کی طرف بھیجا۔ راستہ میں قنفذہ پر مصریوں نے قبضہ کر لیا۔ نجدیوں کو خبر ملی (تو پھر انہوں نے قنفذہ کو دوبارہ اپنے قبضے میں کر لیا[179]۔ زہران (یمن) والی مہم میں بھی مصریوں کو زک[180] ہوئی۔ زہران کی شکست سے فیصل بن سعود کی ہمت بڑھی۔ وہ ابھی تک طائف کے قریب ڈٹا ہوا تھا۔ اب اس نے طائف پر حملہ کی ٹھانی اور طوسون بن محمد علی کی حالت پریشان کن ہو چلی تھی کہ محمد علی کمک لے کر آ گیا اور فیصل کو پھر پیچھے ہٹنا پڑا۔ طائف کے قریب بسل میں سخت معرکہ ہوا اور مصریوں کو فتح ہوئی[181]۔

''اس بسل کے معرکہ میں پانچ ہزار سے زیادہ وہابی کام آئے۔ ایک 'سر' کی قیمت چھ ڈالر رکھی گئی تھی۔ محمد علی کے سامنے لاشوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اسی معرکہ کے بعد سے وہابیوں کی قوت کمزور ہوئی۔ انہوں نے غلطی یہ کی کہ پہاڑیوں سے نکل کر کھلے میدان میں آ گئے۔ سعود کی وصیت تھی کہ مصریوں اور ترکوں سے کبھی بھی کھلے میدان میں مقابلہ نہ کیا جائے''[182]۔

معرکہ بسل کے بعد محمد علی نے جو مظالم ڈھائے اس کی داستان انتہائی لرزہ خیز ہے۔ برک ہارٹ جوان واقعات کا عینی شاہد ہے،ان مظالم کی انتہائی مذمت کرتا ہے۔ایک معمولی واقعہ یہ ہے کہ مقتول وہابی سپاہیوں کی لاشیں کتوں کے لئے چھوڑ دی گئی تھیں[183] ۔ محمد علی نے بڑھ کر تَربہ پر بھی قبضہ کر لیا[184] ۔

تَربہ کے بعد آس پاس کے قبائل کو مطیع کرتا ہوا وہ عسیر تک پہنچ گیا اور وہاں سے قنفذہ ہو کر مکہ مکرمہ واپس ہوا۔ پھر ایک فوری ضرورت کی بنا پر اسے مصر جانا پڑا[185]۔ ابھی محمد علی عسیر کی مہم سے فارغ ہو کر تہامہ پہنچا بھی نہ ہوگا، کہ اس کا بیٹا مدینہ منورہ میں نجد پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگا۔ بڑھ کر وہ قصیم کے بعض مشہور مقامات (رسّ وغیرہ) پر قابض ہو گیا۔ لیکن مدینہ کے ساتھ رسل ورسائل کا تعلق نجدی جتھوں کی وجہ سے منقطع ہو گیا۔ اور پھر اسے اپنے باپ کی خبر نہ مل سکی، جو حقیقت میں اس وقت تک مصر کے لئے رختِ سفر باندھ چکا تھا۔ محمد علی حجاز سے جیزہ (مصر) 15رجب 1230ھ، 23[186]جون 1815ء کو پہنچا۔ ادھر عبداللہ بن سعود نے اُسے گھیر لیا، اور مصری کوئی دو مہینے اسی حال میں پڑے رہے مجبوراً صلح کی سلسلہ جنبانی کرنا پڑی۔

صلح اور فریب

اور فریقین کے درمیان صلح ہو گئی۔ طوسون اور عبداللہ دونوں لڑائی ختم کرنے پر متفق ہو گئے۔ (یہ بھی طے ہوا) کہ ترک (یعنی مصری) نجد اور اس کے علاقوں سے اپنا قبضہ اٹھا لیں گے۔ ترکی، شام، مصر، سے نجد آنے جانے والوں کے لئے پورا امن ہو گا۔ اور سب کے لئے حج کی آزادی ہو گی، اور سبھوں نے شرط نامے (سِجّل) لکھ دیئے۔ اور ترک (مصری) رسّ سے پہلے شعبان کو (1230ھ/9جولائی 1815ء مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ عبداللہ (بن سعود) نے صلح کا خط دے کر آپ نے دو آدمی (عبداللہ بن محمد بنیّان اور قاضی عبدالعزیز بن حمد بن ابراہیم) بھی ان کے ساتھ بھیجے، کہ وہ مصر جا کر محمد علی کے سامنے اسے پیش کریں۔ وہ لوگ مصر پہنچے اور صلح مکمل ہو گئی[187] ۔

کہاجاتاہے کہ اس صلح نامہ کی روسے عبداللہ نے سلطان (قسطنطنیہ) کی ماتحتی تسلیم کر لی تھی اور کسی قریبی موقع پر "آستانہ" خلافت پر حاضری کا وعدہ بھی کر لیا تھا[188] ۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت عبداللہ کی حالت بہتر تھی اور تمام جنوبی علاقوں سے اس کے پاس کمک آ رہی تھی ۔ وہ نزاکت کو سمجھتا اور چاہتا تو مصریوں کی وقتی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان کا قلع قمع کر دیتا۔ لیکن اس نے صلح کر کے یہ زرین موقع کھو دیا۔ طوسون ،امن وامان کے ساتھ مدینہ لوٹ گیا[189] ۔

ابن بشر اور فلبی کے مندرجہ بالا بیانات بتاتے ہیں کہ طوسون اور عبداللہ کے درمیان صلح مکمل ہوگئی تھی۔ابن بشر تو یہاں تک کہتا ہے کہ عبداللہ کے قاصد مصر سے کامیاب واپس ہوئے[190]۔

فلبی کہتا ہے کہ ''محمد علی پاشانے یہ صلح ناپسند کی اور درعیہ کی تباہی کی دھمکی دیتے ہوئے،عبداللہ سے فوراً آستانہ پہنچنے کا مطالبہ کیا۔عبداللہ اپنے کوار باب حکومت کے قدموں پر ڈالنے کو تیار نہیں تھا۔اس لئے وہ اپنے مطیع قبائل کو منظم کرنے اور اپنے پایہ تخت کے استحکام میں لگا رہا[191]۔

عبداللہ کے قاصد مصر میں

ابن بشر اور فلبی کے علاوہ جبرتی اور دوسرے مؤرخوں کے بیانات سے پتا چلتا ہے کہ صلح کی تکمیل محمد علی کی منظوری پر موقوف تھی۔اوراسی غرض سے عبداللہ نے دو قاصداس کی خدمت میں بھیجے۔جو طوسون اور عبداللہ کے معاہدہ کے بعد پہلی شعبان 1230ھ(9جولائی1815ء کو مدینہ ہوتے ہوئے مصر روانہ ہوگئے شوال کے آغاز میں وہ مصر پہنچے[192]۔اور وہ پاشا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

> ''لیکن پاشا کو یہ صلح خوش نہ آئی اوراس نے آنے والوں کی خاطر مدارات نہ کی بلکہ ان کے ساتھ خشونت سے پیش آیا[193]۔''

اور جبرتی کے بیان کے مطابق نجدی قاصدوں نے نرمی اور عاجزی کے ساتھ گفتگو کی۔سعود بن عبدالعزیز کی شدت اور عبداللہ بن سعود کی نرم مزاجی کا ذکر کیا۔

جبرتی ان نجدی قاصدوں (عبداللہ بن محمد بن بُنَیان اور قاضی عبدالعزیز بن حمد بن ابراہیم کے شوقِ علم اور حسن اخلاق کا شاندار الفاظ میں ذکر کرتا ہے۔

برک ہارٹ نے بھی سعود کے قاصدوں اوراِن کے علم و فضل کی تعریف کی ہے۔

وہ یہ بھی لکھتا ہے علمائے مصر ان کی گفتگو و بحث کو سُن کر مطمئن ہوگئے[194]۔

اُس وقت کے نجدیوں کے اخلاق و علم کا اندازہ کرنے کے لئے معاصر اور عینی شاہد جبرتی کی یہ رائے سننے کے لائق ہے:

> ''وہ دونوں جامع ازہر ایسے وقت میں گئے، جب کوئی صاحب تدریس وہاں موجود نہ تھا۔انہوں نے امام احمد بن حنبل کے اہل 'مذہب' اور فقہ حنبلی کی کتابوں کے متعلق استفسار کیا۔ان سے کہا گیا کہ وہ لوگ مصر میں بالکل ختم ہو گئے۔اوران دونوں نے تفسیراور حدیث کی مختلف کتابیں (جیسے خازن ،کشاف ،بغوی، صحاح ستہ وغیرہ)خریدیں۔میں ان دونوں سے دومرتبہ ملا۔میں نے ان میں اُنس ،فصاحتِ زبان، وسعت نظر اور معلومات کی فراوانی پائی اوران کی عاجزی، حسن خلق، ادب، تفقہ اور فقہی مسائل واختلاف پر عبور کی تو تعریف ہی نہیں ہو سکتی ۔ان میں سے ایک کانام عبداللہ اور دوسرے کا عبدالعزیز ہے،اور دوسرا ہر اعتبار سے افضل ہے[195]۔

عبداللہ بن سعود کے قاصدوں کا حال اور محمد علی پاشا کا ان کے ساتھ برتاؤ دونوں کے متعلق آپ ایک معاصر مصری مؤرخ کی زبانی سن چکے۔تفصیل میں پڑنے کی گنجائش نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ مختلف اسباب [196] کے ماتحت جن مؤرخوں[197] کا اختلاف ہے، محمد علی نے صلح مسترد کر دی، طوسون جو ذیقعدہ تک حجاز ہی میں مقیم رہا[198]، مصر واپس بلالیا گیا۔اوائل ذی الحجہ 1230ھ (نومبر 1815ء) میں وہ مصر پہنچ گیا۔اور تقریباً ایک سال کے بعد دارآخرت کی راہ لی [199]۔گوانتقال سے پہلے ہی وہ قیادت سے محروم کیا جا چکا تھا۔مارد تمان کا یہ خیال صحیح نہیں ،کہ طوسون کی وفات کے بعد ابراہیم کو اس مہم کا ذمہ دار بنایا گیا۔ابراہیم کے بھیجنے کی تجویز جنوری 1816ء ہی میں مکمل ہو چکی تھی اوراگست 1816ء میں یعنی طوسون کے انتقال سے پہلے وہ قاہرہ روانہ ہو چکا تھا[200]۔ابن بشر [201] کے مطابق عبداللہ بن سعود نے دوسرے سال 1231ھ (1816ء) بھی ہدیوں اور تحفوں کے ساتھ دو قاصد (حسن مزروع اور عبداللہ بن عون) محمد علی کی خدمت میں مصر بھیجے اوراب کے ان بھولے بھالے لوگوں نے محسوس کیا کہ والی مصر اپنے عہد سے پھر گیا ہے (**وجدوہ قد تغیر**) حالانکہ محمد علی نے کبھی صلح کی تائید کی ہی نہیں۔البتہ ان کے پہلے دو قاصدوں کو اس نے صاف جواب نہیں دیا تھا۔اسی سے ابن بشر اوراہل نجد نے محسوس کیا کہ صلح مکمل ہو گئی اوران کے قاصد کامیاب لوٹے (**ورجعوا منہ وانظم الصلح**[202]) ابن بشر[203] مزید یہ لکھتا ہے کہ محمد علی پاشا نے بعد میں اہل بادیہ کی ''دشایت'' کی بناء پر صلح ختم کر دی۔نامناسب نہ ہوگا، اگر اس سلسلے میں بعض یورپی معاصروں کی رائے بھی سن لی جائے۔

> ''۔۔۔اب صرف سوال یہ رہ جاتا ہے کہ معاہدہ کی تکمیل محمد علی کی منظوری پر اُٹھار کھی تھی یا طوسون نے جو مرتبہ (Rank) میں اپنے باپ کے مرتبے کے برابر تھا، قطعی طور پر (As a thing done) اس کی

تکمیل کر دی تھی، بہر حال معاملہ کچھ بھی ہو،اس نے صلح کر کے اپنا نقصان کیا۔ محمد علی جو باب عالی میں محض ایک ہنگامی صلح یا التوائے جنگ(Armistics)بنا کر پیش کیا[204]''۔

برک ہارٹ اس گفت و شنید میں عبداللہ بن سعود کی صفائی اور صاف دلی کی تعریف کرتا ہے،اس کے خطوط بھی برک ہارٹ[205] نے دیکھے تھے۔ برک ہارٹ اور برائج یہ بھی کہتے ہیں کہ محمد علی نے بعد میں الحسا کے زرخیز صوبہ کا مطالبہ کیااور اسی کے ایفاء پر صلح نامہ کی تصدیق ملتوی رکھی۔

ابراہیم پاشا

بہر حال حقیقت جو کچھ بھی ہو طوسون اور عبداللہ بن سعود کے باہمی معاہدے سے غیر مطمئن محمد علی پاشاوالی مصر نے اب نجد کی مہم کے لئے اپنے دوسرے بیٹے[206] ابراہیم پاشا کو نامزد کیا، تیاریاں طوسون کی واپسی کے بعد ہی شروع ہو گئی تھیں،البتہ ابراہیم پاشا کی روانگی ایک عرصہ تک ملتوی رہی،وہ ایک بڑی بھاری فوج لے کر6۔ذی قعدہ1231ھ 28 ستمبر1816ء کو ینبع پہنچااور سیدھے مدینہ کا رخ کیااور وہاں سے چل کر حناکیہ (پانی کا چشمہ) کے پاس ٹھہرا،آس پاس کے بدوی قبیلے مطیع ہوئے ، حربؔ،سطیرؔ،عتیبہؔ اور عنزہؔ قبیلوں سے جوق در جوق بدو اس کے جھنڈے کے نیچے مجتمع[207] ہو گئے۔ابراہیم حناکیہ کے پاس مہینوں رہ گیا، جس کاآس پاس کے بدو قبیلوں پر کافی اثر ہوا۔اور وہ ٹوٹ ٹوٹ کر ابراہیم کے پاس جانے لگے۔عبداللہ کواس کا احساس ہوااور آخر اس نے پیشقدمی کی ۔ماویہ(پانی کا چشمہ) کے پاس مدبھیڑ ہوئی۔لیکن عبداللہ بن سعود کی فوج مصری توپوں کی تاب نہ لا سکی [208]۔عبداللہ قصیم کی طرف پلٹا۔ابراہیم نے بھی پیچھا کیااور رسؔ آکر ٹھہرااور تین مہینے کے محاصرہ کے بعد اہل شہر نے امان طلب کی اس طویل محاصرہ اور مسلسل چھیڑ چھاڑ میں مصریوں کے چھ سات سوآدمی کام آئے۔اور اہل شہر کے صرف ستر آدمی مقتول ہوئے۔لیکن اس امان طلبی سے مصریوں کا راستہ صاف ہو گیا،اور ان کی پیش قدمی کو اب کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی۔

معمولی حملوں کے عنیزہؔاور خبراؔپر قبضہ ہو گیا(اواخر1232ھ)۔ بریدہؔپر بھی قبضہ میں دقت نہ ہوئی[209]۔البتہ شقراؔمیں نجدیوں نے دل کھول کر داد شجاعت دی، لیکن مصری فوج کے فرانسیسی انجینئر[210](Vaissere) کی ترکیبوں کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور اہل شقراء نے بھی امان طلب کی[211]۔

اس کے بعد ایک اور فیصلہ کن جنگ ضرمی کے قریب ہوئی۔ نجدی علاقے میں پائے تخت درعیہ کے بعد سب سے مستحکم شہر ضرمیؔ ہی تھا۔اس سے پہلے رسؔ اور شقراؔء کے باشندے بھی بہادری سے لڑے۔ لیکن آخر امان طلب کرنے پر مجبور ہوئے۔ان دونوں

کے برعکس ضرمی ''عنوۃ'' فتح ہوا، بازاروں اور گھروں میں باشندے قتل کئے گئے اور تمام مال ومتاع فاتحوں نے لوٹ لیا،اور بلنٹ (2/260) کے بیان کے مطابق عورتوں کی آبرو بھی ترکی سپاہ کے ہاتھوں محفوظ نہ رہی۔ 17 ربیع الثانی 1233ھ/24 فروری 1818ء جو ضرمی میں مصریوں کا داخلہ ہوا یہ گویا نجدی حکومت کے زوال کا اعلان تھا۔

سعودؔ بن عبداللہ بن محمد بن سعود اور اس کے ساتھ کچھ درعیّہ کے جان نثار شہر کے ایک قصر میں قلعہ بند ہو گئے۔آخر انہیں بھی امان دی گئی اور وہ لوگ درعیہؔ چلے گئے ان کے ساتھ اہل شقراء کے تین ہزار سے اوپر بچے اور عورتیں بھی تھیں۔ان سب کو امیر عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز نے درعیہ میں پناہ دی[212]۔

سقوط درعیہ

اب ابراہیم پاشا درعیہ کے سامنے تھا، جہاں وہ چھ ماہ تک محاصرہ کئے پڑا رہا۔ روزانہ جنگ ہوتی،اور مصری بڑی تعداد میں کام آتے، لیکن وہاں آئے دن مصرؔ سے تازہ دم کمک آتی رہی اور یہاں درعیہ والوں کی تعداد روز کم ہوتی جاتی۔ رسد اور اسلحہ کی کمی انہیں الگ ستاتی تھی،امیر عبداللہ بن سعود،اس کے اہل خاندان اور شیخ الاسلام کے بیٹے پوتے،سب بلا استثناء جی کھول کر لڑے۔آخر اہل شہر نے صلح وامان طلب کی[213]۔عبداللہ بن سعود کو اب بھی ہتھیار ڈالنے میں پس وپیش تھا۔ شہر کے اندر اپنے خاندانی قلعہ (طُرَیف) میں پناہ گزیں ہو کر لڑنے لگا لیکن قلعہ کی دیواریں بے کار ہو چکی تھیں اور اب مدافعت بے کار تھی۔آخر اس نے اپنے آپ کو ابراہیم کے سپرد[214] کر دیا۔اور یہ پہلی 'سعودی حکومت' اور فلبی کی زبان میں ''فرسٹ وہابی امپائر''(جس کی تعمیر میں شیخ الاسلام اور ان کے ہم جلیسوں کا بڑا ہاتھ تھا) کے خاتمے کا اعلان تھا۔

عبداللہ بن سعود کا حشر

صلح کے دو روز بعد عبدؔاللہ بن سعود کو سفر کا حکم دیا گیا۔ تین چار آدمی اس کے اپنے بھی ساتھ رہے۔امیر نجد کا قافلہ محرم 1234ھ (نومبر 1818ء) کے اوائل میں مصر پہنچا،اس کا داخلہ نہایت مضحکہ انگیز صورت میں ہوا۔ بیچارے کو مصریوں نے تماشہ بنالیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ ایک شکست خوردہ والی مملکت کے ساتھ جو کچھ بدسلوکی روا رکھی جا سکتی تھی،اس میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی گئی[215]۔ محمد علی کی خدمت میں وہ حاضر ہوا۔کچھ ضابطہ باتیں ہوئیں۔اور 19 محرم کو اسے اسکندریہ اور وہاں سے آستانہ بھیج دیا گیا، جہاں

موت اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ 17 دسمبر 1818ء (18 صفر 1243ھ کو وہ اور اس کے ساتھی، ایا صوفیاؔ کے صحن میں پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیئے گئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ دار الخلافت میں بھی ان مقہوران بلا کو بری طرح سے گشت کرایا گیا۔

عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز بن محمد بن سعود کے ساتھ امراء نجد کا وہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، جو براہ راست شیخ الاسلام سے مستفید ہوا تھا۔ عبدالعزیز بن محمد بن سعود اور سعود بن عبدالعزیز تو شیخ الاسلام کے باضابطہ شاگرد تھے، عبداللہ بن سعود کی عمر شیخ الاسلام کی وفات (1206ھ) کے وقت کم رہی ہوگی، اس لئے ممکن ہے کہ وہ باضابطہ ان کے درس سے نہ مستفید ہوا ہو، پر اتنا یقینی ہے کہ اس نے شیخ الااسلام کا زمانہ پایا تھا۔

عبداللہ کو اطمینان سے حکومت کا موقع بالکل ہی نہیں ملا، پھر بھی درس و تبلیغ، نیز انتظام حکومت میں وہ بالکل اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر رہا۔ اور اس سلسلہ میں کوئی نئی بات قابل ذکر نہیں[216]۔

باقی لوگوں کا انجام

درعیہؔ کے اندر اور باہر مسلسل چھ مہینے لڑائی ہوتی رہی، ان معرکوں کی تفصیل، اس کتاب کی محدود گنجائش اور اس کے موضوع بحث سے خارج ہے۔ ان واقعات کے معاصر اور شاہد ابن بشر نے پوری تفصیل دی ہے بلکہ ہر شہر کے مختلف مورچوں اور ان کے جائے وقوع کی بھی کافی توضیح کی ہے[217]۔

اس لڑائی میں آل سعود کے اکیس افراد شہید ہوئے۔ ان میں سے ممتاز اشخاص کے نام یہ ہیں:

فیصل بن سعود

ابراہیم بن سعود

فہد بن عبداللہ بن عبدالعزیز

فہد بن ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود

محمد بن حسن بن مشاری بن سعود

ابراہیم بن حسن بن مشاری

ابراہیم بن عبداللہ فرحان

عبداللہ بن ناصر بن مشاری

محمد بن عبداللہ بن محمد بن سعود

سعود بن عبداللہ بن محمد بن سعود

محمد بن سعود بن عبداللہ بن محمد بن سعود آل شیخ میں سے مندرجہ ذیل اشخاص شہید کئے گئے:

سلیمان بن عبداللہ بن الشیخ

علی بن عبدللہ الشیخ

محمد بن عبدالرحمن بن حسن بن الشیخ

ان میں سے سلیمان بن عبداللہ کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور پورے جسم کی تکا بوٹی کی گئی۔اللہ رے جوش انتقام[218]۔

آل سعود اورآل شیخ کے علاوہ مندرجہ ذیل علماء واعیان شہید ہوئےان میں سے بعضے میدان جنگ میں کام آئےاوراکثر سنگینوں ،بندوقوں اور مختلف قسم کی اذیتوں کا شکار ہوئے۔

علی بن حمد بن راشد عرینی۔ قاضی خرج۔ صالح بن رشید الحربی۔عبداللہ بن محمد بن عبداللہ سویلم، حمد بن عیسیٰ بن سویلم، محمد بن ابراہیم بن سدعان۔

ان مقتولین کے علاوہ بعضے مشہوراہل علم کے ساتھ ابراہیم پاشاانتہائی بدتمیزی سے پیش آیا۔ قاضی احمد بن رشید الحنبلی، مدینہ کے مشہور عالم امیر عبداللہ کے ہاں مقیم تھے،زدوکوب سے ان کی تواضع کی گئی اور تمام دانت اکھاڑ ڈالے گئے[219]۔

یہ قاضی احمد بن رشید، جن کا پورانام احمد بن حسن بن رشید ہے،احساء کے رہنے والے اور فقہ حنبلی کے مشہور عالم تھے۔عام طور پر 'الحنبلی' کے نام سے شہرت تھی۔پہلے یہ شیخ کی دعوت کے مخالف تھے،پھر مؤید ہوگئے، مدینۃ الرسول کا جوار پسند آگیا تھا،وہیں متوطن ہوگئے تھے، بڑی عمر پاکر وہیں وفات پائی[220]۔

السحب الوابلۃ(ص:33-35)میں ان کا مفصل ذکر ہے لیکن ان کے قبول دعوت کی السحب کے مصنف نے عجیب وغریب تاویلیں کی ہیں۔

اسی سلسلہ میں شیخ عبدالعزیزالحصین ناصری (ف 1237ھ) جیسے ضعیف عالم اور بزرگ کے ساتھ بدسلوکی کا قصہ بھی آتا ہے۔ فتح شقراء کے وقت شیخ عبدالعزیزالحصین وہاں تھے۔ ابراہیم پاشا نے انہیں اپنی مجلس میں بلوایا، ضعیفی کی وجہ سے وہ خود نہ آسکتے تھے، مجبوراً لوگ انہیں اٹھا کر لائے (**فجیئ بہ محمولاً**)

انہوں نے آتے ہی مسنون طریقہ پر سلام علیک یا ابراہیم کہا۔ مصری پاشا کی پر غرور پیشانی پر شکن پڑ گئی۔ اور وہ شیخ عبدالعزیز کا تمسخر کرنے لگا۔ شیخ نے نصیحت شروع کی، اور عفو کی چند آیتیں پڑھیں۔ تو پاشا نے کہا: "جا بڈھے میں نے تیرا قصور معاف کیا[221]"

یہ وہی شیخ عبدالعزیز ہیں، جو شیخ الاسلام کے خاص شاگرد تھے، اور خود ان کی زندگی میں دو مرتبہ (1158ھ-1204ھ) وفد کی حیثیت سے حجاز بھیجے گئے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (پہلا باب)

اس دار و گیر سے جو خوش نصیب بچ کر نکل سکے۔ ان میں ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود (جس کے ہاتھوں چل کر نجدی حکومت کی تجدید ہوئی) اور شیخ علی بن حسین بن شیخ الاسلام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آل سعود کے بعض افراد اس وقت تو بچ کر نکل گئے اور جب پھر وہ درعیہ لوٹے تو مصری حاکم نے انہیں پکڑ کر مصر بھیج دیا[222]۔ ان کے علاوہ آل سعود اور آل الشیخ کے باقی ماندہ افراد مع اہل وعیال کے مصر بھیج دیئے گئے۔ جہاں یہ غریب الوطن عرصہ تک مقیم رہے۔ بعض وہیں لقمۂ اجل بنے، اور اکثر حالات سازگار ہونے پر اپنے وطن کو واپس ہوئے[223]۔ غریب الوطنوں کا یہ قافلہ 18 رجب 1234ھ (13 مئی 1819ء) کو مصر پہنچا، ان کی تعداد عورت، مرد اور بچوں کو ملا کر چار سو کے قریب تھی۔ (جبرتی: 4/303)

درعیہ کی بربادی

درعیہ پر قبضہ ذی قعدہ 1233ھ کے اوائل میں ہوا، لیکن اس کی تباہی و بربادی کا سلسلہ تقریباً ایک سال تک جاری رہا، خود ابراہیم پاشا کوئی نو مہینے وہاں رک گیا۔ روز نیا حکم جاری ہوتا اور اس کی پابندی کرائی جاتی جب تمام مرحلے طے ہو گئے، تو پھر آخر میں ایک ایسی ضرب کاری لگائی گئی جس سے آل سعود کا یہ پہلا پایہ تخت پھر نہ پنپ سکا۔

شعبان 1234ھ (جون 1819ء) میں محمد علی پاشا کا حکم پہنچا اور اس کے مطابق لائق بیٹے (ابراہیم) نے درعیہ کی بربادی کا حکم دیا۔ پھر کیا تھا:

''مصری فوج نے سارا شہر کھود کر پھینک دیا، تمام باغ و نخلستان جڑ سے کاٹ ڈالے، بوڑھے، بچے، کمزور اور بیمار سب یکساں عتاب کا شکار ہوئے۔ گھروں میں آگ لگا دی گئی اور چند روز میں لہلہاتا ہوا باغ جل کر خاک بھسم ہو گیا[224]۔

یہ مصریوں کے جنون انتقام کا سب سے بدترین مظاہرہ تھا۔ یہ وہ درعیہ ہے جو شیخ کی دعوت سے پہلے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ شیخ کی دعوت نے اسے مرکزیت بخشی اور آل سعود کی کوششوں اور حوصلہ افزائیوں سے تھوڑے عرصہ میں ایک آباد اور خوش حال شہر بن گیا۔ ابن بشر درعیہ کی خوش حالی، رونق اور تجارتی مرکزیت کا شاندار لفظوں میں ذکر کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اس کے اپنے چشم دید تاثرات خاص اہمیت رکھتے ہیں[225]۔

سرکارِ برطانیہ کی مبارک باد اور امداد کی پیشکش

درعیہ کو خاک سیاہ کرنے کے بعد ابراہیم نجد کے علاقے سے واپس ہوا چاہتا تھا کہ ہماری سرکار کے ہندوستانی افسروں کو ایک عجیب تجویز سوجھی۔ انہوں نے ابراہیم کو مبارک باد دینے کے لئے ایک خاص وفد کپتان جارج فارسٹر لیر George Forester Saddler کی ماتحتی میں روانہ کیا۔

اس مبارک باد کی تہ میں جو جذبہ کام کر رہا تھا، اس کو سمجھنے کے لئے یہ حقیقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ کمپنی کی حکومت خلیج فارس کے ساحل پر اپنا اثر و اقتدار بڑھانے کے لئے عرصہ سے کوشاں تھی۔ نجدی اقتدار ساحل[226] پر بڑھا تو بحری تاخت کی رفتار تیز ہو گئی اور تجارتی جہازوں کو نقصان پہنچنے لگا۔ اس بحری قزاقی (Piracy) کا خاتمہ کرنے کے لئے بمبئی حکومت نے 1224ھ/1809ء میں قرصان کے مرکز رأس الخیمہ پر حملہ کیا اور اسے جلا کر خاک سیاہ کر دیا جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔

اب جو کمپنی کی حکومت کو مصری فتوحات اور نجدیوں کی تباہی کی خبر ملی، تو اس کے دل میں خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں اس نئی طاقت کے ہاتھوں بھی اس کے اقتدار کو صدمہ نہ پہنچے۔ درعیہ کے قبضہ کے ساتھ ہی کچھ ایسے واقعات پیش آئے جن سے ان کا اندیشہ قوی ہو گیا۔ مصری فوجی دستے خلیج فارس کے ساحلی علاقوں پر تنگ و تاز کرنے لگے، اور اس میں انہوں نے برطانوی حلقۂ نفوذ و اثر کا احترام

بھی ملحوظ نہیں رکھا۔ برطانوی افسر اپنے نجدی حریفوں کی بربادی پر تو بہت خوش تھے لیکن مصریوں کے ہاتھوں اس ناروا برتاؤ کے لئے بھی تیار نہ تھے [227]۔ فوراً کپتان ج۔ف۔ سیڈلر کو ابراہیم پاشا کی خدمت میں درعیہ بھیجا گیا۔ اصل میں برطانوی افسروں کو مصریوں کے غرض وغایت کے متعلق غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی۔ خلیج فارس تو کجا، مصری نجد پر بھی دائمی قبضہ یا حکومت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ درعیہ کی فتح کے ترنگ میں، ممکن ہے، انہوں نے آس پاس کے علاقوں پر دستے بھیجے ہوں، لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ پائیدار اور منظم حکومت قائم کرنے کا ارادہ انہوں نے کبھی نہیں کیا اور یہی وجہ ہے کہ ابراہیم پاشا درعیہ کو تباہ کرنے کے بعد سارے علاقے کو عام ابتری کی حالت میں چھوڑ کر مصر روانہ ہوگیا۔

خیر اب آیئے، ذرا سیڈلر کے مشن کی سرگزشت ایک واقف کار کی زبانی سنئے:

> ''مصریوں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ، کسی طرح کا مشورہ کئے بغیر بمبئی سے 1819 (1234ھ) کے موسم گرما میں ایک برطانوی جنگی جہاز خلیج کی طرف بھیجا گیا۔ اس پر سرکار (His Majesty) کی سینتالیسویں (Forty Seventh) رجمنٹ کا (افسر) کپتان ج۔ف۔ سیڈلر بھی ایک خاص قاصد (Emissary) کی حیثیت سے ساتھ تھا۔ اس کی مہم کا مقصد ''ابراہیم کو درعیہ کے زیر کرنے پر مبارکباد دینا'' اور پاشا (His Excellency) سے مل کر وہابی طاقت کے مکمل استیصال کا مناسب انتظام کرنا تھا''۔

اس افسر کے ہدایت نامے کے مزید فقرے یہ ہیں:

> ''اگر جیسا کہ غالباً صورتحال ہو 'پاشا' برطانوی حکومت کی امداد سے فائدہ اٹھانا چاہے، تو ایک مکمل اور مضبوط بحری فوجی طاقت جلد از جلد بھیجی جائے گی اور ''ترکوں ''[مصریوں] کو رأس الخیمہ پر قبضہ دلایا جائے گا۔۔۔'' الخ ''لیکن تاریخ میں بہت کم خفیہ مشن ایسے ناکام ہوئے ہوں گے، جیسا کہ سیڈلر مشن کی قسمت میں لکھا تھا''

تفصیل [228] بہت لمبی ہے۔ خلاصہ یہ کہ سیڈلر عرب کے ساحل پر اس وقت اترا جب ابراہیم درعیہ کی بربادی سے سیر ہو کر وطن واپسی کا ارادہ کر رہا تھا۔ بتانے والوں نے اسے بتایا کہ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس سے ۔۔۔۔۔۔۔ ملاقات کس مقام پر ہوسکے گی؟ یہ 28 جون 1819ء کو روانہ ہوا۔ درعیہ کے پاس سے گزرتا ہوا شقراء پہنچا۔ وہاں سے رسّ آیا یہاں اسے ابراہیم کی فوج تو ملی لیکن

خود پاشا مدینہ کے لئے رخت سفر باندھ چکا تھا۔ ابراہیم کو اس کی آمد کی اطلاع تھی لیکن وہ کوئی ایسا ملنے کا مشتاق نہیں تھا کہ اس کا انتظار کرتا۔ آخر مدینہ کے قریب پاشا کی خدمت میں 8 اور 9 ستمبر کو باریابی ہوئی۔

پاشا نے گفتگو تو اخلاق سے کی لیکن کسی قسم کا وعدہ نہیں کیا۔ اور برطانوی قاصد ناکام واپس آیا۔ البتہ اس نے اس تین مہینے کی بادیہ گری سے ایک بڑا امتیاز حاصل کر لیا۔ یہ پہلا یورپی تھا، جس نے جزیرۃ العرب کو ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک عبور کر لیا۔

درعیہ مصریوں کے ہاتھوں ایسا برباد ہوا کہ پھر آباد نہ ہو سکا۔ یہ تباہی ایسی حوصلہ شکن تھی کہ ایک عرصہ تک نجدیوں کے پنپنے کی کوئی امید نہیں دکھائی دیتی تھی، بلنٹ [229] جیسے وسیع النظر اور بظاہر عربوں کے ہمدرد مدبر نے 1880ء میں اپنا خیال ظاہر کیا تھا:

"عرب میں سعودی خاندان کے اقتدار کو اب قصہ ماضی سمجھنا چاہئیے"۔

ڈاوتی [230] (Daughty) 1875ء میں اہل نجد کی عام رائے نقل کرتا ہے:

"اب وہابی حکومت دوبارہ زندہ نہیں ہونے کی کم از کم نجد میں یہی خیال کیا جاتا ہے"۔

اور زویمر [231] جیسے دشمن اسلام نے 1900ء میں یہ رائے ظاہر کی:

"اس تحریک کا خاتمہ انتہائی ناکامی پر ہوا اور سیاسی طور پر یہ ایک شاندار ڈھونگ ثابت ہوئی"۔

دوسری [232] جگہ یہی دشمن اسلام و عرب لکھتا ہے:

"عرب میں سعودی خاندان کے اقتدار کو اب قصہ ماضی سمجھنا چاہئیے"

لیکن یہ خیال غلط نکلا جزیرۃ العرب کی امانت پھر ان نجدیوں کو ملی اور پہلے سے زیادہ وسعت واقتدار کے ساتھ۔ ہاں درعیہ پھر نہ بن سکا، نجدی حکومت کی تجدید اور تشکیل درعیہ میں نہیں بلکہ اسی علاقے کے دوسرے مقام ریاض میں ہوئی اور اب وہی ان کا پایہ تخت ہے۔

درعیہ کا مرثیہ

درعیہ کے جاں گذار فاجعہ کا اہل نجد اوران کے ہمدردوں پر جو کچھ اثر ہوا ہو گا اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔رونے والے اپنے اپنے مقدور اور ظرف کے مطابق خون کے آنسو روئے ہوں گے۔ہم ذیل میں صرف ایک مرثیہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔یہ مرثیہ نجد کے مشہور عالم حمد بن ناصر بن معمر(ف1225ھ شاگرد شیخ الاسلام)کے بیٹے عبدالعزیز بن حمد بن ناصر (ف1244ھ)کا لکھا ہوا ہے، گو اس میں شریف رندی کے مرثیہ سقوط طلیطلہ [233] یا سعدی کے نوحہ بغداد [234] کا زور نہیں ہے، پھر بھی اس میں درد ہے اور ایک دیندار قوم کے صبر و شکر کا آئینہ۔مرثیہ کا مطلع یوں ہے:

اليك اله العرش اشكو تضرعا　　وادعوك فيك ضراء ربي لتسمعا

نمونہ کے طور پر دو چار شعر اور درج ہیں۔

وكم قتلوا من عصبة الحق فتية　　هداة وضاة ساجدين وركعا

وكم دمروا من مربع كان اهلا　　فقد تركوا الدار لانيسة بلقعا

مضوا وانقضت ايامهم حين اوردوا　　ثناء و ذكر طيبة قد تضوعا

فجازاهم الله الكريم بفضله　　جنانا ورضوانا من الله ارفعا

الا ايها الاخوان صبرا فانني　　ارى الصبر للمقدور خيراً وانفا

ولا تياسوا من كشف ماناب انه　　اذا شاء ربي كشف ذاك تمزعا

درعیہ کی تباہی کے ساتھ(1234ھ/1819ء)شیخ کی تربیت کردہ اور اصلاح یافتہ نجد کی سیاسی برتری ختم ہو جاتی ہے۔نجد جدید [235] اور اس کی ترقی ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہے،اس لئے نجدی حکومتوں کا قصہ چھوڑ کر ہمیں اب شیخ اوران کی تصنیفات کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

ہاں اس سلسلے میں نجدی اور مصری لشکر کا باہمی فرق اور محمد علی اور ابراہیم پاشا کے مزاج و اخلاق کے متعلق بھی دو حرف عرض کر دیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہو۔

مصری فاتح

مصریوں اور نجدیوں کے درمیان عرصہ تک جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری رہا۔ شروع شروع مصریوں کو کافی زک اٹھانا پڑی لیکن نجدیوں نے اسلامی قانون جنگ کی خلاف ورزی کبھی نہیں کی اور ان کی سپاہ کی شدت اور تقشف کے متعلق جو کچھ کہا جائے، پر اخلاقی کمزوریوں اور فسق و فجور کی مثالیں نہیں پیش کی جا سکتیں، رہے محمد علی اور ابراہیم اور ان کے ساتھی تو ان کے رویہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی ہجری کے آغاز میں عام طور پر مسلمان انحطاط کی کس حد تک پہنچ چکے تھے۔

نجدیوں اور مصری فوجوں کا باہمی فرق معلوم کرنے کے لئے، مشہور معاصر مورخ جبرتی کا مندرجہ ذیل بیان کافی ہوگا۔ محرم 1227ھ کے حوادث میں مصریوں کی شکست سے بحث کرتے ہوئے ایک مصری فوجی افسر (لقد قال لی بعض اکابرهم) کی زبانی لکھتا ہے:

> "ہمیں فتح کیسے نصیب ہو؟ ہماری فوج کا بڑا حصہ بے دین ہے، کسی آئین کی پابندی نہیں، بکس کے بکس مسکرات (نشہ آور اشیاء شراب وغیرہ) سے بھرے ہوئے ساتھ ہیں، ہماری چھاؤنی میں اذان کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ان کے دلوں میں دین اور شعائر دین کا خیال بھی نہیں آتا، اور یہ قوم (یعنی نجدی---------عربی تعبیر والقوم ہے) وقت ہوتے ہی اذان دیتی ہے اور ایک امام کے پیچھے خشوع اور خضوع کے ساتھ صف بندی کرتی ہے۔ اگر جنگ کے دوران میں کہیں نماز کا وقت آگیا، تو مؤذن اذان دیتا ہے اور سب نماز خوف پڑھتے ہیں۔ ایک جماعت جنگ کے لئے آگے بڑھتی ہے۔ پھر دوسرا گروہ نماز کے لئے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور ہماری فوج حیرت سے منہ تاکتی ہے۔ ان بیچاروں نے دیکھنا تو درکنار سنا بھی نہیں [236]"۔

ہم اپنے قلم کو ان برائیوں کے تذکرے سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے، جو اس مصری فوجی افسر کے بیان کے مطابق مصری فوج نے بدر اور اس کے نواح میں روا رکھی تھیں۔ اتنا اشارہ کر دینا کافی ہوگا کہ اہل علم اور شرفاء کے گھروں کی بھی آبرو برقرار نہیں رہی تھی[237]۔

یہ تو ایک فوجی افسر کا بیان تھا۔ جبرتی کی اپنی روایت بھی ملاحظہ ہو رمضان 1233ھ کے حوادث میں لکھتا ہے:

> "خشکی اور سمندر کی راہ سے فوجیں تین دفعات میں آگے پیچھے شعبان اور رمضان کے مہینوں میں روانہ ہوئیں۔۔۔۔ اور ان لوگوں نے سفر کا عذر کر کے روزے نہیں رکھے ان کی بڑی تعداد بازاروں میں بیٹھ کر کھاتی

پیتی ہے (یہ لوگ ہاتھوں میں تمبا کو کا ناریل لئے ہوئے بے شرمی کے ساتھ سڑکوں پر گھومتے رہتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسلام کے مخالفوں اور کفار سے جہاد اور غزوہ کے لئے جارہے ہیں''[238]۔

جب دین اور دینی نظام کے احترام کا یہ عالم تھا، تو پھر درعیہ کی بربادی اور نجد پر قبضہ کے بعد ابراہیم پاشا کا دماغ پھر گیا، تو اس پر تعجب کیوں ہو؟ جبرتی فاتح نجد کی انانیت اور تکبر کا شاکی ہے۔

''اس ''غیبت'' کے بعد ابراہیم پاشا اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگا ہے اور اس کے غرور کی کوئی حد نہیں رہی، حتی کہ جب علماء (مشائخ) اس کے پاس سلام کرنے اور تشریف آوری پر مبارک باد دینے گئے تو وہ ان کی تعظیم کے لئے کھڑا نہیں ہوا اور ان کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ آخر وہ لوگ بیٹھ گئے اور خیر وعافیت پر مبارک باد پیش کرنے لگے تو اس نے اشارہ سے بھی جواب نہیں دیا، بلکہ ایک دوسرے شخص سے ہنسی مذاق کی باتیں کرتا رہا۔ وہ بیچارے رنجیدہ ہو کر لوٹ گئے''[239]۔

کیا اس پر کسی اظہار رائے کی ضرورت ہے؟

محمد علی کی مکاری اور مظالم

محمد علی پاشا کے مظالم کو ہم یہاں دہرانا نہیں چاہتے برک ہارٹ (جس نے محمد علی کے عہد حکومت میں حجاز اور جزیرۃ عرب کی سیاحت تھی اور جسے وہابیوں کے ساتھ کوئی خاص ہمدردی بھی نہیں) نے اس کے مظالم مفصل داستان لکھی ہے [240]۔

جو مستند اور قابل وثوق ہے۔ بعض مبصر ابراہیم کے غدر اور مکر وفریب کی بھی ساری ذمہ داریاں محمد علی ہی کے سر ڈالتے ہیں:

''جس بے رحمی اور دغابازی کا برتاؤ معزول بادشاہ اور عام وہابیوں کے ساتھیوں کے ساتھ کیا گیا، اس کا الزام بھی ابراہیم سے زیادہ محمد علی کے سر عائد ہوتا ہے''[241]۔

برک ہارٹ محمد علی کی رشوت ستانی کا بار بار ذکر کرتا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق بدوؤں کو رشوتیں دے کر محمد علی نے کامیابی حاصل کی:

''مصریوں کی طرف بدوؤں کی ہمدردی مبذول کرنے میں رشوت کا بہت دخل تھا''۔

اس نے محمد علی کے مظالم اور بے رحمانہ قتل کی بھی کافی مثالیں دی ہیں۔ یہی سیاح ایک دوسری جگہ لکھتا ہے:

''محمد علی نے اپنے سپاہیوں کی طاقت سے زیادہ روپیہ کے ذریعہ عرب پر اپنی دھاک بٹھائی[242]''۔

ان کے مقابلے میں نجدی وہابیوں کے بارے میں ایک عینی شاہد (مشہور اسپینی سیاح بیدیا Badia عرب علی بے عباسی کا بیان سنئے جو نجدیوں کے قبضہ کے وقت مکہ مکرمہ میں موجود تھا۔

''جب تک وہ جان نہ لیں کہ فلاں چیز دشمن یا مشرک کی ہے، اسے ہاتھ نہیں لگاتے اور زبردستی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے، وہ تمام چیزیں قیمت دے کر خریدتے ہیں۔ اسی طرح ہر خدمت کی اجرت ادا کرتے ہیں۔ اپنے سردار کے اندھے اطاعت شعار ہونے کی وجہ سے اس کے احکام کی تعمیل میں ہر مشقت برداشت کرنے کو تیار رہتے[243]''۔

علی بے سے بھی زیادہ محقق سیاح برک ہارٹ جو 1914ء میں (یعنی محمد علی کے قبضہ کے وقت) مکہ پہنچا تھا، اور جس کی کتابیں اس کے صحت بیان اور دقت نظر کی شاہد ہیں، لکھتا ہے:

''وہابی اقدام کی تہ میں بری رسموں کو ختم کرنے کی زبردست مخلصانہ خواہش کام کررہی تھی، غدار سے غدار دشمنوں سے بھی انہوں نے وعدہ شکنی نہ کی۔ اگر ترکوں (مصریوں) سے ان کے طرز عمل کا مقابلہ کیا جائے تو ہمیں ترکوں کی تمام وہ مہلات گنانا پڑیں گی جن میں وہ آلودہ ہیں[244]''۔

برک ہارٹ کی پوری کتاب میں سعود اور عبداللہ کے لئے تعریف[245] کے سوا کچھ نہیں۔

تیسرا باب

تصنیفات

حکیمِ مشرق اور جدید دنیائے اسلام کے پہلے سیاسی مفکر سید جمال الدین افغانی (ف 1315ھ/1897ء) کے متعلق عصرِ حاضر کے مشہور عرب سیاستدان اور مجاہد امیر شکیب ارسلان () نے ایک جگہ[246] کیا خوب لکھا ہے:

''انہیں تصنیف وتالیف کی ثرت سے خاصل دلچسپی نہیں تھی۔وہ کتابوں کے مؤلف نہیں تھے، بلکہ حکومتوں اور قوموں کے مصنف تھے''۔

شیخ الاسلام کے متعلق بھی یہ فقرہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ دہرایاجاسکتاہے پھر بھی تبلیغ ودعوت کے سلسلہ میں شیخ نے جو کچھ لکھا، وہ کچھ ایسا کم بھی نہیں ہے۔ نیز علمی لحاظ سے بھی اس کا پایہ بلند ہے۔ان تحریروں میں متکلمانہ موشگافیاں اور یونانی علوم سے متاثر متاخرین فقہاء کی دوراز کار باتیں نہیں ملیں گی۔وہ ٹھیٹھ محدثانہ طریقہ پر لکھتے ہیں۔جو بات کہی دوٹوک سیدھے سادھے الفاظ میں کتاب وسنت کے نصوص سے آراستہ و پیراستہ اور بس۔ سچائی اور حقانیت کے پیکر کو ظاہری جمال وآرائش کی کیا ضرورت ؟ سچائی اپنے اندر خود ایک نامعلوم کشش رکھتی ہے۔

ان کی تصنیفات کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر یونانی اور یونانی علوم کی ہلکی سی پرچھائیں بھی نہیں پڑی۔ ہمارے ہندوستان کے بڑے سے بڑے مجددین امت کی کتابیں بھی یونانی گورکھ دھندے اور ''اشراقیت'' کے اثرات سے یکسر پاک نہ رہ سکیں۔ شیخ کا طریقہ بالکل ہی قرآنی ہے اور ان کی دلیلیں جزءوکل قرآن وحدیث سے ماخوذ ہوتی ہیں۔

دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے ہاں تصوف کی اصطلاحات بھی ناپید ہیں ۔ویدانیت اور نوافلاطونی فلسفہ کے اس معجون مرکب نے (جس کا نام لوگوں تصوف [247] رکھ چھوڑاہے)اسلام کی بنیادیں کھوکھلی کرڈالیں۔اسلامی ہند کے مجددین نے یہ بڑی غلطی کی کہ وہ اس افیون کا استعمال کراتے رہے۔،افیون ، بہر حال افیون ہے ۔آپ اس کے لاکھ بدرقے ،استعمال کرائے۔اس کے برے اثرات اعضائے رئیسہ کو تباہ کرتے جائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے مسلمان آج تک اس ''مایہ جال'' سے نہ نکل سکے۔ لیکن شیخ الاسلام کے صحیح علاج اور اس افیون سے مکمل پرہیز کے باعث نجد اور نواح نجد کے مسلمان اس گورکھ دھندے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل گئے۔

جہاں تک شیخ کے طرز بیان کا تعلق ہے،اس میں کوئی الجھاؤ نہیں۔البتہ زبان انشاءامام ابن تیمیہ (م728ھ)ابن قیم (م756ھ)اور شاہ ولی اللہ (ف1176ھ) کی طرح بہت بلند نہیں۔

لیکن ان کی تحریروں میں جو انمول چیز ہے، پورے اسلامی لٹریچر میں خال نظر آتی ہے اور آٹھویں صدی ہجری کے بعد تو بالکل عنقاہو گئی تھی۔آپ اجازت دیں تو ہم اقبال کی زبان میں اسے ''نَفَس'' سے تعبیر کریں ان کی ہر سطر تاثیر میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔ شاید یہ اس

دینی تڑپ کا اثر ہو، جس نے انہیں عمر بھر بے قرار رکھا۔آخران میں کوئی چیز تو تھی جس نے آن کی آن میں نجد اوراس کے نواح کی کایاپلٹ کردی خلاصہ یہ کہ ان کی چھوٹی بڑی تمام کتابوں اور خاص کر 'رسائل' میں یہ تاثیر زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

ہمیں شیخ کی حسب ذیل تالیفات کا علم ہو سکا ہے:

(1) کتاب التوحید شیخ کی تصنیفات میں یہ رسالہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔جس طرح ہندوستان کے خوش فہموں میں مولانا اسماعیل شہید (ش1246ھ) کی تقویۃ الایمان بدنام ہے،اسی طرح عرب و عجم کے اکثر خوش عقیدہ لوگوں میں کتاب التوحید بھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی۔اس کا پورانام ''کتاب التوحید الذی ھو حق اللہ علی العباد'' ہے۔اس میں شیخ نے توحید کی حقیقت،اس کے حدود ،شرک اوراس کی خرابیاں اوراس میں اِبتلاکے تمام راستوں (استعاذہ،استغاثہ،توسل ،دعا،نذر،ذبح،سحر،کہانت،فال وغیرہ وغیرہ) کو کھول کر بیان کیاہے۔اپنی طرف سے بہت کم کہا ہے،ہر باب کے مطابق قرآن وحدیث کی صاف اور واضح شہادتیں جمع کر دی ہیں۔

یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ بارہاہزاروں ہزار کی تعداد میں طبع ہوئی، مختلف زبانوں میں بھی کئی ایک ترجمے ہو چکے ہیں۔انگریزی ترجمہ کا اب تک پتہ نہیں چلا[248]۔

علمائے نجد نے اس پر شرحیں بھی لکھی ہیں، جن میں بعض بہت مفید اور پر مغز ہیں۔ بروکلمن نے دو شرحوں کا ذکر کیا ہے[249]۔

(الف)الدررالنضیہ لاحمد بن حسن النجدی جو دلی میں طبع ہوئی(1311ھ)

(ب)فتح اللہ الحمید المجید مصنف حامد بن محمد بن حسن،جو امر تسر میں چھپی(1797ء)پہلی کا ہمیں علم نہیں ہو سکا۔''دوسری شرح ادھوری اور معمولی ہے''۔لیکن بروکلمن نے سب سے اہم شرح فتح المجید کا ذکر نہیں کیا۔یہ اصل میں سلیمان بن عبداللہ بن شیخ الاسلام (مقتول1233ھ)نے لکھنا شروع کی تھی ۔لیکن نامکمل رہی ۔تکمیل شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ الاسلام (ف1285ھ)نے کی اور کافی اضافے بھی کئے،اور ہمارے سامنے جس شکل میں ہے وہ شیخ ابن حسن ہی کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ اس شرح میں تمام مسئلوں پر سیر حاصل بحث ہے۔جابجاامام ابن تیمیہ(ف728ھ)اور ابن قیم کی کتابوں سے طویل اقتباسات دیئے ہوئے ہیں۔اوراس طرح پر یہ شرح ایک جامع اور مفید کتاب ہو گئی ہے۔

یہ پہلے مطبع انصاری دہلی میں چھپی تھی (1311ھ)۔دوبارہ مطبعہ سلفیہ، مصر میں بحرین کے مشہور تاجر شیخ عبدالرحمٰن قصیبی کے صرفہ سے معمولی کاغذ پر چھپی۔(1347ھ)اور مفت تقسیم ہوئی۔

اب تیسری مرتبہ مطبع انصار السنۃ المحمدیہ ، قاہرہ میں شیخ حامد الفقی کے اہتمام سے نہایت آب وتاب کے ساتھ چھپی ہے(1357ھ)آغاز میں محمد حامد الفقی نے مصنف کے حالات بھی دیئے ہیں، جو عنوان المجد سے منقول ہیں۔ناشر نے جابجا احادیث کی تخریج بھی کی ہے، نیز شرح میں جہاں جہاں امام ابن تیمیہ اور ابن قیم کے اقوال بلا حوالہ نقل کئے گئے ہیں۔وہاں ناشر نے حاشیہ میں اصل کتابوں کا ٹھیک ٹھیک حوالہ دینے کی کوشش کی ہے۔اس سے مراجعت میں بڑی آسانی ہو گئی ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن نے اس مفصل شرح (جو شیخ سلیمان بن عبداللہ کی نامکمل شرح کی تکمیل ہے) کے علاوہ کتاب التوحید پر کچھ 'تعلیقات کرائے تھے' وہ بھی الگ قرۃ العیون الموحدین کے نام سے چھپ گئی ہیں (مطبع المنار مصر 46ھ) راقم کی نگاہ سے یہ کتاب نہیں گزری محمد حامد الفقی نے فتح المجید کے حواشی میں کہیں کہیں اس کے اقتباسات دیئے ہیں۔

(2) کشف الشبہات من التوحید اسے ہم کتاب التوحید کا تکملہ کہہ سکتے ہیں۔یوں تو شیخ کی تمام کتابیں توحید سے متعلق ہیں، اور کتاب التوحید کا تتمہ کہی جاسکتی ہیں، لیکن رسالہ ' کشف الشبہات' میں توحید ہی توحید ہے۔عام لوگوں پر لوگوں کو توحید خالص کے متعلق جو شکوک ہوتے ہیں، ان کا ازالہ کیا گیاہے۔کسی کو ولی ، غوث کا خیال آتاہے، کوئی توسل ،اور استغاثہ کی راہ سے بھٹکتا ہے، کہیں 'شفاعت' میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔اس رسالہ میں ان سب شبہات کا قلع قمع کیا گیاہے۔انداز استدلال یکسر قرآنی ہے۔کہیں ادنی ابہام نہیں ،اور نہ متاخرین کے جدلیہ طرز بیان کا کہیں سایہ بھی پڑنے پایاہے۔ایک چھوٹا سا رسالہ معلومات اور فوائد کا گنجینہ ہے۔بار بار چھپ چکاہے۔ہمارے سامنے وہ نسخہ ہے۔جو عیسیٰ بن رمیح نجدی کے مجموعہ (ص56،72) میں چھپاہے۔

(3) الاصول الثلاثہ وادلتہا: معرفت رب، دین اسلام، نعرفت نبی، ان تینوں اصولوں کی دلنشین انداز میں وضاحت کی گئی ہے۔نہایت چھوٹا رسالہ ہے۔

(4) شروط الصلاۃ وارکانہا: اس مختصر رسالے میں نماز کی شرطوں (اسلام، عقل، تمیز، رفع حدث، ازالت نجاست، ستر عورۃ، دخول وقت، استقبال قبلہ اور نیت) کی توضیح کی گئی ہے۔نیز نماز کے ارکان اور واجبات بھی بیان کئے گئے ہیں۔

(5) اربع قواعد: اس رسالہ میں بھی توحید کے بعض پہلو نہایت موثر اور سادہ طریقہ پر بیان کئے گئے یں۔چار اہم قاعدے یہ ہیں:

(الف) کفار عرب بھی اللہ تعالیٰ کو ''خالق، رازق اور مدبر'' مانتے تھے لیکن اس سے وہ ''اسلام میں داخل نہ ہو سکے''۔

(ب) کفار عرب بھی، اولیاء من دون اللہ کو 'قربت اور شفاعت' ہی کے لئے پکارتے تھے۔ **ویقولون هٰؤلاء شفاؤنا عند الله**

(ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ملائکہ، انبیاء، صالحین، اشجار۔ احجار، شمس، قمر'' کی پرستش کرنے والوں سے یکساں قتال کیا اور ان مختلف قسم کے مشرکین کے درمیان کسی قسم کی تفریق روا نہیں رکھی۔

(د) اس زمانہ کے مشرک، پہلے مشرکین سے گئے گزرے ہیں۔ وہ تو کم از کم مصیبتوں میں اللہ کو یاد کر لیا کرتے تھے اور موجودہ زمانہ کے مشرک ہر حال میں ''اولیاء من دون اللہ'' ہی کو پکارتے ہیں۔

اس مختصر رسالے میں انہیں 'چار قواعد' کی آیات قرآنی سے توضیح کی گئی ہے۔ یہ تینوں رسالے عیسی بن نجدی کے طبع کرائے ہوئے مجموعہ میں ایک ساتھ چھپے ہیں (1/27) مطبع المنار قاہرہ 1340ھ نیز مجموعۃ الکتاب المفید مطبوعہ مکہ مکرمہ (1343ھ) میں بھی یہ رسالے شامل ہیں۔

(6) اصول الایمان: ایمان کے مختلف ابواب کی احادیث سے تشریح کی گئی ہے۔ آغاز کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے بعض فرزندوں نے اصل رسالہ میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ ''**وقد زاد فیه بعض اولاده زیادة حسنة**''

پہلے دہلی میں چھپا تھا اب مجموعۃ الحدیث النجدیہ (قاہرہ مطبع المنار 1342ھ) کے ضمن میں طبع ہوا ہے۔ (صفحہ 240، 209)

(7) کتاب فضل الاسلام: اسلام کی شرائط کی توضیح کے ساتھ ساتھ بدعت و شرک کی برائیاں کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ (مجموعۃ الحدیث النجدیہ ص 242، 255)

(8) کتاب الکبائر: کبائر کی تمام اقسام، الگ الگ ابواب کی صورت میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ ہر باب میں قرآن و حدیث کے نصوص سے توثیق کی گئی ہے۔ بلکہ مصنف نے اپنی طرف بہت کم لکھا ہے قرآن کریم اور سنت نبوی کا سلیقہ کے ساتھ جمع کر دینا، اپنی جگہ پر خود ایک کام ہے۔ (مجموعۃ الحدیث النجدیہ: 310، 258)

(9) نصیحۃ المسلمین: یہ ایک مستقل کتاب ہے، جس میں اسلامی تعلیم کے تمام شعبوں پر الگ الگ بابوں میں حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں۔ مصنف نے اپنی طرف سے بہت کم بلکہ کچھ نہیں لکھا ہے۔ (مجموعۃ الحدیث ص 312، 444)

(10)ستتہ مواضع من السیرۃ: سیرت طیبہ کے چھ مقامات کی توضیح اور ان کے نکات پر چھوٹا سا رسالہ ہے وہ چھ مقام (ستتہ مواضع) یہ ہیں:

(الف) نزول وحی کی ابتداء

(ب) تعلیم توحید اور کفار کا رویہ

(ج) 'تلک الغرانیق العلیٰ' کا واقعہ

(د) ابو طالب کا خاتمہ

(ھ) ہجرت کے منافع اور ان سے سبق۔

(د) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کا واقعہ۔ (مجموعۃ الکتاب المفید: ص19، 23)

(11) تفسیر الفاتحہ: سورۂ فاتحہ کی نہایت ہی مختصر تفسیر، لیکن اس میں بھی شیخ کا جذبہ توحید سطر سطر سے نمایاں ہے۔ (مجموعۃ الکتاب التوحید: ص18، 19)

(12) مسائل الجاہلیۃ: اس رسالہ میں شیخ الاسلام نے ایسے ایک سو اکتیس مسئلے بیان کئے ہیں۔ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جاہلیت اور ان کے معتقدات کی مخالفت کی ہے۔ محمود شکری آلوسی (ف1342ھ) نے اس کی شرح بھی لکھی ہے (الزہراء: 44، 52)

(13) تفسیر الشہادۃ: کلمہ لاالٰہ الا اللہ کی تفسیر جس میں توحید کی اہمیت دلنشین انداز میں واضح کی گئی ہے۔ (ص8، 78)

(14) التفسیر علی بعض سورۃ القرآن[250]: مختلف آیتوں اور سورتوں پر شیخ الاسلام کی تعلیقات کے مجموعہ کا نام ہے۔ ایک ایک آیت سے بیسیوں مسئلے استنباط کرتے جاتے ہیں۔ یہی اس کی خاص خصوصیت ہے۔

(15) کتاب السیرۃ: یہ سیرت ابن ہشام کا خلاصہ ہے۔ پٹنہ لائبریری میں اس کا ایک بہت اچھا اور قدیم نسخہ ہے[251]۔

(16)الہدی النبوی: امام ابن قیم کی زادالمعاد کا مختصر کتاب کے اوپر صرف مختصر 'الہدی النبوی' لکھا ہوا ہے۔اس کا ایک قلمی نسخہ پٹنہ[252] لائبریری میں ہے۔

ان کے علاوہ شیخ کے چھوٹے چھوٹے متعدد رسالے ہیں، جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ بعض رسالے روضۃ اور اسی طرح بعض استفسارات کے جوابات بھی روضۃ الافکار میں درج[253] ہیں۔

چوتھا باب: دعوت

سیاست کی کارفرمائی

مصر جدید کے مشہور عالم اور سید جمال الدین افغانی کے رفیق خاص شیخ محمد عبدہ (ف 1323ھ/1905ء) ''سیاست'' اور اس کی ''بے انصافیوں'' سے پناہ مانگتے تھے۔ ''مادخلت السیاسۃ فی شئ الا افسدتہ'' ان کا مشہور فقرہ ہے، اور ایک حد تک یہ سچ بھی ہے۔ مقصد برآری کے لئے ارباب سیاست، جائز اور ناجائز کا خیال نہیں کرتے اور اس لئے صداقتوں کے مسخ کرنے میں وہ عارضی طور پر کامیاب ہو جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام کی دعوت جسے 'وہابیت' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کوئی نئی چیز نہیں ہے، کتاب وسنت کی صحیح تعلیم کے سوا اور کچھ نہیں پیش نہیں کرتے، لیکن سیاسی اغراض کے ماتحت، شیخ کی دعوت کو، 'وہابیت' کا نام دے کر اس طرح پیش کیا گیا ہے، جیسے اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی دعوت دی جارہی ہو۔

سوء اتفاق سے اہل نجد کے بدنام کرنے میں تین جماعتیں شریک ہو گئیں، ترکی اور مصری حکومتوں سے تو براہ راست ٹکر تھی ،اور جنگ وپیکار کا سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا۔ حکومت ہند سے بھی ایک دو ٹکر ہو گئی تھی۔اس لئے ان تینوں حکومتوں اور ان کے وظیفہ خواروں نے اس ''کار خیر''میں نمایاں حصہ لیا۔ان کے علاوہ اشراف مکہ اور ان کے حواری اپنے نذر ونیاز کی آمدنیوں کی بندش پر الگ برہم[254] تھے، نیز عام یورپی سیاح (انگریزوں کے علاوہ بھی) جزیرۃ العرب میں صحیح مذہبی بیداری کو اچھی آنکھوں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ مختلف اسباب کے ماتحت، مختلف حکومتوں اور جماعتوں نے شیخ کی دعوت کی برائی اور بدنامی میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج سے کچھ دنوں پہلے تک ''وہابیت'' نے ایک ''ہوے'' کی شکل اختیار کر لی تھی پھر ہندوستان میں

حضرت سید احمد شہید بریلوی اور مولانا اسماعیل شہیدؒ دہلوی کی تحریک تجدید وامامت کو ''وہابیت'' کا نام دے کر اسے اسلام سے الگ ایک خارجی قسم کے مذہب [255] کی حیثیت دے دی گئی۔

آج سے تیس چالیس سال برس پہلے غلط الزامات کے قبول کرنے کی کوئی توجیہ کی جاسکتی تھی۔اہل نجد کی کتابیں عام طور پر نہیں ملتی تھیں،اور خود علماء نجد اپنے محدود علاقہ سے باہر تبلیغ واشاعت پر بہت کم توجہ کرتے تھے۔اس لئے اس وقت یہ بہت ممکن تھا کہ کوئی شخص سچائی کے ساتھ ان کے متعلق غلط رائے رکھتا ہو۔لیکن آج کہ شیخؒ اور ان کے شاگردوں کی تصنیفات چھپ کر عام ہو چکی ہیں ،لاعلمی کا عذر مسموع نہیں ہو سکتا۔

شیخ کا فقہی مسلک

مختصر طور پر تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیخ الاسلام،دین کو اس کی اصل شکل میں دیکھنا چاہتے تھے،عقائد واعمال،ہر چیز میں سلف کی پیروی ان کے دل سے لگ گئی تھی۔فروع فقہ میں امام اہل سنت احمد بن حنبل (ف246ھ) کے مسلک پر عمل کرتے تھے۔لیکن حنابلہ کے مسلک کے خلاف کوئی حدیث مل جانے پر انہیں کوئی طاقت اس حدیث پر عمل کرنے سے روک نہیں سکتی تھی:

''وانا مذهبنا فمذهب الامام احمد بن حنبل امام اهل السنة في الفروع ولا ندع الاجتهاد واذا يأتت لنا سنة صحيحة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم عملنا بها،ولا نقدم عليها قول احد كائنا من كان [256]''

امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ کے اقوال سے وہ بسا اوقات استدلال کرتے ہیں۔لیکن ان کی تقلید کا پھندا بھی شیخؒ نے گردن میں نہیں ڈالا۔ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ اسی وقت تک ان کے پیش رو ہیں،جب تک ان کے علم کے مطابق وہ کتاب وسنت سے منحرف نہیں ہوتے،بلکہ وہ امام یا عالم ان کی نگاہ میں صرف اس لئے محبوب ہے کہ وہ کتاب وسنت پر صحیح صحیح عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

''الامام ابن القيم وشيخه اماما حق من اهل السنة و كتبه عندنا من اعز الكتب الا انا غير مقلدين لهم في كل مسئلة [257]''

''امام ابن القیم اور ان کے استاد دونوں اہل سنت کے ائمہ حق میں سے ہیں اور ان کی کتابیں ہمیں بہت محبوب ہیں مگر یہ کہ ہر مسئلہ میں ہم ان کے مقلد نہیں''۔

سچی بات یہ ہے کہ جہاں تک فقہ کا تعلق ہے وہ حنبلی مسلک کی اتباع کرتے ہوئے بھی، دوسروں کو اس کی پیروی پر مجبور نہیں کرتے تھے۔وہ شافعی کو شافعی اور حنفی کو حنفی بننے کی دعوت دیتے ہیں ۔بدعات اور بیہودہ رسمیں کسی امام نے روا نہیں رکھیں۔غنا اور مزامیر کے بارے میں فقہائے حنفیہ سے کون زیادہ سخت ہے؟ لیکن آج ہماری آنکھوں کے سامنے اپنے آپ کو ""حنفی"" کہنے والے کیا کیا نہیں کر رہے ہیں؟

شیخ کے فقہی مسلک کی مزید توضیح کے لئے ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

"ونحن ایضاً فی الفروع علی مذھب احمد بن حنبل ولا ننکر علی من قلد احد الاربعة دون الغیر لعدم ضبط مذاھب الغیر کالرافضة الخ"

(ہم بھی فروع میں امام احمد حنبل کے مذہب[258] پر ہیں ،اور ائمہ اربعہ کے مذہب پر ہیں ،اور ائمہ اربعہ کے مقلدین پر نکیر نہیں کرتے ،البتہ ان کے علاوہ دوسروں کی تقلید روا نہیں رکھتے ،اس لئے کہ اوروں کے مذاہب صحیح طور پر مدون نہیں ، جیسے روافض وغیرہم)۔

"ولانستحق الاجتھاد المطلق ولا احد لدینا یَدَّعیھا الا اننا فی بعض المسائل اذا صح لنا نص جلی من کتاب اوسنة غیر منسوخ ولا مخصص ولا معارض باقوی منه وقال به احد الائمة الاربعة اخذنا به وترکنا المذھب کارث الجد والاخوة فانا نقدم الجد وان خالف مذھب الحنابلة"[259]

اور ہم " اجتہاد مطلق" کے اہل نہیں ،اور نہ ہم میں سے کوئی اس امر کا دعویٰ کرتا ہے مگر یہ کہ بعض مسائل میں اگر کتاب یا سنت کی کوئی غیر منسوخ واضح نص سامنے آجائے ، جس کی تخصیص یا تعارض بھی کسی دوسرے قوی نص سے نہ ہو اور ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اسے اختیار کیا ہو ، تو ہم اس پر عمل کرتے ہیں جیسے جد اور بھائیوں (اخوۃ) کے ترکہ میں ہم حنابلہ کے مسلک کے خلاف جد کو اخوۃ پر مقدم رکھتے ہیں۔

عقائد

عقائد کے باب میں وہ ''سلف'' کے مسلک پر ہیں۔قرآن کریم اور صحیح احادیثوں میں اللہ تعالیٰ کی جو صفتیں آئی ہیں،انہیں ہو بہو تسلیم کرنااور ''کیفیت'' کی نفی کے ساتھ ان کے ظاہر پر ایمان لانا،یہی سلف کا مسلک ہے۔

صفات کا مسئلہ علماء اسلام کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے۔ایک جماعت ''تشبیہ''اور تمثّل کے خوف سے ''صفات''ہی کا انکار کر بیٹھی۔یہ گویا اللہ کو معطّل کردینا ہوا۔دوسری جماعت ''صفات'' کی قائل ہوئی،تو تشبیہ،اور ''تکیف'' کی حد تک آگئی۔یہ بھی حد سے تجاوز کرنا ہے۔اللہ کی ذات ''جسمیت'' سے منزہ ہے۔متکلمین اشاعرہ نے اس ''تعطل''اور''تشبیہ'' سے بچنے کے لئے ان تمام آیتوں اور حدیثوں میں تاویل شروع کردی۔وہ ''استواء ''سے ''استیلا''مراد لینے لگے۔اسی طرح (یداللہ)کی تفسیر ''نعمت''اور''قدرت'' سے کرنے لگے۔(فانك باعيننا) سے حفظ و نگہداشت کے معنی لئے گئے الخ،لیکن ''سلف''اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے اس تاویل سے اتفاق نہیں کرتے۔یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ان الفاظ سے جو آپ مراد لے رہے ہیں،وہی مرادالٰہی بھی ہے؟اور پھر تاویل کرنے والوں کو بعض آیتوں اور حدیثوں کی تاویل میں ایسی دوراز کار تاویلیں کرنی پڑتی ہیں کہ پڑھ کر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ابن فورک(ف402ھ) کی 'مشکل الحدیث' میں اس ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' کی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔سلف کا مسلک اس ''تکیف''و تعطیل اور تاویل سے الگ ہے۔ائمہ سلف کا مسلک امام ابن تیمیہؒ کی زبان میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

> ''ائمہ سلف کا مذہب یہ ہے کہ ہم اللہ کو تحریف، تعطیل، تکیف، تمثیل کا ادنیٰ شائبہ آئے ہوئے بغیر ان صفتوں کے ساتھ متصف کریں،جن کے ساتھ خود اس نے اپنے لئے اپنے آپ کو اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متصف کیا ہے۔تو ان صفات کی نفی جائز نہیں،جن سے اس نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے،اور نہ ان صفات کو مخلوق کی صنعتوں کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے بلکہ اس کی ذات ان چیزوں سے منزہ ہے۔اس کا کوئی مثل نہیں۔نہ ذات میں،نہ صفات میں،نہ افعال میں۔تو سلف کا مذہب دو مذہبوں کے بین بین اور دو گمراہیوں کے درمیان اعتدال کی راہ ہے۔یعنی صفات کا اثبات اور مخلوقات کے ساتھ مماثلت کی نفی[260] الخ الخ''

تو گویا سلف کا مسلک اثبات اور نفی کے درمیان ہوا۔وہ ید، عین اور اس قسم کی دوسری صفتوں کی تاویل نہیں کرتے،بلکہ ان کے ظاہر پر ایمان لاتے ہیں لیکن مماثلت کی نفی کے ساتھ ''ید''اور ''عین'' سے صفات باری میں وہ معنی نہیں سمجھے جائیں گے،جو انسانوں کے ساتھ سمجھے جاتے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے کیف جسمیت سے منزہ ہے۔اصل مفہوم اور کیف کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ہمارا کام بے چون چرا ایمان لانا ہے۔امام دارالہجرۃ مالک بن انس کا مشہور مقولہ مسلک سلف کی بہترین ترجمان ہے:

الاستواء غیر مجھول والکیف غیر معقول والایمان بہ واجب والسؤال عنہ بدعۃ

استواء نامعلوم نہیں ،اور کیف کا تصور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے متعلق کرید کرنا بدعت ہے [261]"۔

یہ سلف کا مسلک ہے صرف حنابلہ یا امام ابن تیمیہؒ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کا نہیں، بلکہ ان تمام ائمہ اسلام کا یہی مسلک رہا ہے۔ "تشبیہ اور تجسیم کی نفی کے ساتھ تاویل سے بچنا" (الامساك عن التاويل مطلقاً مع نفی التشبيه والتجسوم) تمام ائمہ کا مسلک رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ ،امام مالک ،امام شافعی، امام احمد، محمد بن الحسن، سعد بن معاذ مروزی، عبداللہ بن المبارک، سفیان ثوری ،امام بخاری، ترمذی، ابوداؤد سجستانی وغیرہم سب اسی مسلک پر گامزن رہے ہیں [262]۔

خود امام ابوالحسن اشعری سے رجوع ثابت ہے۔ امام الحرمین سے بھی اس کی تائید منقول ہے۔ تمام صحابہ اور تابعین کا تو یہ مسلک تھا ہی تاویل کا دروازہ تو "عقلیت" کی گرم بازاری کے بعد کھلا۔

متاخرین اشاعرہ اور علمائے اسلام (متاخرین) کا مسلک "تاویل" کا رہا ہے۔ مدرسوں میں 'عقائد' کے نام سے جو کچھ پڑھایا جاتا ہے، وہ یہی اہل تاویل کا مسلک ہے۔ لیکن تاویل کے وہ معنی تو ان الفاظ کا ایک محمل ہے، ایسی بیسیوں تاویلیں اور بھی کی جاسکتی ہیں۔ یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ آپ کی تاویل عین مراد الٰہی کے مطابق ہے اور اگر اس کا یقین نہیں (اور یقینی نہیں) تو پھر ہم اپنے آپ کو خطرہ میں کیوں ڈالیں؟ سلامتی اسی میں ہے کہ اسلاف کے طریقہ کے مطابق ہم بھی (کل ما شاا ورد فی الشرع) پر بلا 'تعطیل' و 'تکیف' کے اعتقاد رکھیں۔ یہی پہلے بزرگوں کا مسلک ہے اور اسی پر آج بھی ٹھیٹھ اہل توحید و سنت اعتقاد رکھتے ہیں۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کے پیرؤوں کا یہی عقیدہ ہے:

"....وبالجملة فعقيدتنا فی جميع الصفات الثابتة فی الكتاب والسنة عقيدة اهل السنة والجماعة نؤمن بها وتمر بها كما جاءت مع اثبات حقائقها وما دلت عليه من غير تكييف ولا تمثيل ومن غير تعطيل ولا تبديل ولا تاويل الخ [263]"

"خلاصہ یہ کہ ان تمام 'صفات' کے بارے میں جو کتاب و سنت میں ثابت ہیں، ہمارا عقیدہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں اور زیادہ کرید نے کی کوشش نہیں کرتے اور ان کے معانی اور حقائق پر اعتقاد رکھتے ہیں، لیکن کسی تکیف تمثیل، یا تعطیل و تبدیل اور تاویل کی پرچھائیں بھی نہیں پڑنے دیتے"۔ الخ

آیات صفات کے باب میں 'سلف' کا مسلک مشہور ہے(جس کی مختصر توضیح اوپر کی گئی)صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ شیخ الاسلام بھی 'سلف' کا عقیدہ رکھتے تھے۔قرون اولیٰ کے بعد امام ابن تیمیہؒ(ف728ھ)سے زیادہ کسی نے اس سلسلہ میں تکلیفیں نہیں اُٹھائیں۔اشاعرہ اور متکلمین کے خیالات ذہن اور دماغ پر کچھ اس طرح مسلط ہو گئے تھے کہ راہ حق بھی لوگوں کو جاہلوں اور کم عقلوں کا مسلک نظر آتی تھی۔

بہر حال امام ابن تیمیہؒ کی طرح شیخ الاسلام ابن عبدالوہاب بھی 'سلف' کے عقیدے پر سختی کے ساتھ قائم رہے۔اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے آلوسی کی جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین[264] ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔جہاں فاضل مصنف نے پوری بحث کا نچوڑ دے دیا ہے۔ابن تیمیہ،ابن جوزی (ف644ھ) شیخ عبدالقادر جیلی اور خود امام ابوالحسن اشعری(ف تقریباً334ھ کی)تصنیفات سے اقتباسات دیئے ہیں۔

توحید اور اس کے لوازم

شیخ نے اپنی تمام کتابوں اور رسائل میں توحید پر بہت زور دیا ہے بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ ان کی تصنیفات میں صرف توحید ہی توحید ہے۔ان کی دعوت بھی توحید کی تھی،شعار کلمہ لاالٰہ الااللہ تھا۔وہ ہر ایک کو اسی کلمہ کا مفہوم سمجھاتے اور اس کی حقیقت ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے،اسی لئے ان کے ماننے والے بسااوقات 'موحدین' کے نام سے بھی پکارے جاتے ہیں۔

توحید کیا ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ کو مستحق عبادت قرار دینا۔بات معمولی سی ہے،لیکن شیطان کی گھاتیں بہت وسیع ہیں۔اس نے ایک اللہ کے پرستاروں سے بھی وہ کام کرائے،جو شرک کے حدود میں داخل ہوتے ہیں 'اخلاص توحید' کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام اعمال واقوال سے پرہیز کیا جائے،جن میں 'غیر اللہ' کی شرکت کا ادنیٰ شائبہ بھی پیدا ہوتا ہو۔شیخ الاسلام نے ان 'اعمال واقوال' کی توضیح میں کوئی کمی نہیں کی۔ان کے مضرات اور برائیاں کھول کھول کر بیان کیں،جن راہوں سے یہ برائیاں پیدا ہوتی تھیں۔ان کو روکنے کی کوششیں کیں۔لیکن وہ قوم جو سارے عالم کے لئے توحید کا پیغام لے کر نکلی تھی،بعد کی صدیوں میں خود قبر پرستی تعزیہ پرستی اور اس قسم کی دوسری ''پرستیوں'' کا اس طرح شکار ہوئی کہ جب ایک عرصہ بعد اس کے کانوں میں توحید کی آواز پہنچی تو اسے اجنبیت محسوس ہونے لگی۔کتاب وسنت سے نصوص پیش کئے گئے تو تاویلیں کی گئیں اور خود توحید کے علم برداروں کو 'وہابی'،'مشرک'،'خارجی' اور مختلف فقہی اور مذہبی گالیوں سے نوازا گیا۔شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا سارا قصور یہ ہے کہ انہوں نے کھلم کھلا توحید کی دعوت دی۔شرک اور اس کی آلودگیوں سے بچنے کی تاکید کی اوثان من دون اللہ کی مذمت کی غیر اللہ کی قسمیں

کھانا، نذریں ماننااور قبروں کی پرستش کی صاف صاف برائی کی۔ اور اگر یہ واقعی قصور ہے، تو پھر ہر مسلمان کو سچے دل سے قصوروار بن جاناچاہیئے۔

ذیل میں ہم ان مخصوص باتوں کو سادہ لفظوں میں بیان کردیتے ہیں، جو شیخؒ اوراہل سنت کی رائے اور عقیدہ میں توحید سے دور اور شرک سے قریب کرنے والی ہیں:

(1)مصیبتوں میں غیر اللہ کو پکارنا یااللہ کے ساتھ غیر کو بھی پکارنا: اب جو عام طور پر کم پڑھے لکھے یاپڑھے لکھے خوش عقیدہ ''یارفاعی'' یا''بدوی'' اور ''یاعبدالقادر''(اور ہمارے ہاں: اے داتا پیر بھوڑ، اے مخدوم صاحب، اے مخدوم منجھن وغیرہ) کہہ کر غیر اللہ کو مصیبتوں میں یاد کرتے ہیں، تو یہ ''دعاغیر اللہ'' شائبہ شرک سے خالی نہیں اس ''دعا'' میں عبادت کی جھلک آتی ہے۔ ''داعی'' کی نیت اور ''مدعو'' کے مرتبہ سے بالکل بحث نہیں۔ ممکن ہے اور بہت ممکن ہے کہ ''داعی'' کی نیت 'عبادت' یا'شرک' کی نہ ہو۔ لیکن ایک مخلوق، دوسرے مخلوق کو مصیبتوں میں پکارے، اس سے 'دفع ضرر' یا جلب غیر، کی درخواست کرے، یہ توحید کے سراسر خلاف ہے اوراسلام جیسے کامل دین میں اس کی بالکل گنجائش نہیں۔

ان حالات میں جو غیر اللہ کو مصیبتوں میں یاد کرتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو وہ جاہل ہے، اور کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات کا اسے علم نہیں۔ تواسے شیخ الاسلام کے پیرو سیدھی راہ بتانے کی کوشش کریں گے۔ کہ وہ آئندہ اس سے پرہیز کرے، اور اگر کوئی شریعت کا حکم جاننے کے بعد بھی 'دفع ضرر' یا جلب خیر، کے لئے غیر اللہ کو یاد کرتا ہے اور پکارتا ہے، تو پھر وہ اسے مشرک سمجھتے ہیں، اوراس سے کسی قسم کی رواداری برتنے کے لئے تیار نہیں۔ قرآن کریم کی یہ آیتیں ان کے لئے حجت اور دلیل راہ ہیں:

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿14﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿فاطر:15﴾

(2)استغاثہ: غیر اللہ سے فریاد چاہنا، اس کا حکم بھی 'دعا غیر اللہ' کا ہے۔

ابو یزید بسطامی کا قول ہے[265]: **استغاثة المخلوق بالمخلوق كاستغاثة المسجون بالمسجون**۔

مخلوق کا مخلوق فریاد چاہنا، اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ ایک قیدی دوسرے قیدی سے فریاد طلب کرے۔

طبرانی کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے:

''انہ لا یستغاث بی، وانما یستغاث باللہ تعالیٰ[266]''

''مجھ سے فریاد نہیں طلب کی جاتی، فریاد تو صرف اللہ سے مانگی جاتی ہے''

خلاصہ یہ ہے کہ 'زندہ یا مردہ' کسی غیر اللہ سے فریاد چاہنا قطعاً حرام ہے اور اسلامی توحید کے بالکل خلاف ہے۔

(3) توسل: لفظ 'توسل' تین معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے:

(الف) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا وسیلہ، تو یہ فرض ہے۔ اس کے بغیر ایمان مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء شفاعت کا وسیلہ، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھا اور پھر قیامت کے دن اس کا موقع ہوگا، جب خلقت رسول کی شفاعت کا وسیلہ ڈھونڈے گی۔

(ج) تیسرا وہ توسل ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کو انبیاء اور صالحین کی ذات کا واسطہ دلایا جاتا ہے تو یہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کیا نہ وفات کے بعد، نہ استسقاء وغیرہ کے موقع پر، نہ قبر پر اور نہ قبر سے ہٹ کر، کسی موقع پر صحابہ سے اس قسم کا غیر مشروع توسل منقول نہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کو گویا رسول یا ولی کی ذات کی قسم دی جاتی ہے۔ ادعیہ ماثورہ میں بھی کہیں اس 'توسل' کا پتہ نہیں چلتا، توسل کی یہی تین صورتیں ہیں، جن میں سے پہلی صورت (یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور ان کی اطاعت کا وسیلہ پکڑنا) دوسری صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء اور شفاعت جو (ذات کو نہیں) وسیلہ بنانا تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بلاشبہ 'نافع' اور 'مطلوب' تھا'' توسل کے ان دونوں کا منکر کافر اور مرتد ہے'' (من انکر التوسل باحد هذین فهو کافر مرتد) جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ نے تصریح کی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ دوسری صورت بھی متعذر ہو گئی قبروں پر سلام اور اہل قبر سے مخاطب ہو کر السلام علیکم کہنا منقول ہے لیکن مردہ یا غائب سے دعا کی درخواست کرنا بدعت ہے۔ یہی[267] وجہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے بھرے مجمع میں ارشاد فرمایا (اور کسی نے نکیر نہیں کی)[268]

''اللهم انا کنا اذا اجدبنا توسلنا الیك بنبیّنا فتسقینا، وانا نتوسل الیك بعم نبیّنا فاسقناه''

اے اللہ،جب ہم پر قحط سالی آتی تھی تو نبی صلی ا للہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑتے تھےاور توہمیں سیر اب کرتا تھااور (اب)ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاکا وسیلہ پکڑتے ہیں توہمیں سیر اب کر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ پکڑنا بے معنی بات نہیں ہو سکتی۔چونکہ یہ 'توسل 'طلب دعاء کے لئے ہوتا ہےاور وفات کے بعد طلب دعاء متعذر ہے،اس لئے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ عم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)کاوسیلہ لائے۔(یعنی طلب دعاء کے لئے)

اب رہی تیسری صورت جس میں انبیاء اور صالحین کی ذات کو وسیلہ بنایا جاتا ہے،یا اللہ تعالیٰ کو اولیاء اور صالحین کے نام کی قسم دی جائے،جیسے کوئی کہے۔

"اسالك بجاه عبدك وبحرمته"

تواس میں علماء کااختلاف ہے۔حنابلہ کے نزدیک صحیح روایت میں مکروہ تحریمی ہے۔امام ابو حنیفہ اور دوسرے فقہاء حنفیہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔انبیاء،اولیاء یا مقامات مقدسہ کسی کے 'حق 'کا واسطہ دلا کر دعا مانگنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے "لاحق للمخلوق علی الخالق" سے ان کا استدلال ہے اور صحیح معلوم ہوتا ہے۔یہی امام ابن تیمیہؒ کا مسلک ہے۔اور اسی پر شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اوران کے متبعین کا عمل ہے،وہ کسی نبی یا ولی کی ذات کے ساتھ 'توسل 'کو روا نہیں رکھتے اور اگر وہ ایسا کرتے ہیں،تو کوئی نئی بات نہیں کرتے،صرف حنفیہ اور حنابلہ کے متفقہ مسلک کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔

متقدمین محقق میں شیخ عزبن عبدالسلام (ف660ھ)صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے توسل کو جائز[269]قرار دیتے ہیں،یعنی ان کے نزدیک "اللهم انی اتوسل بنبیك وحبیبك محمد (صلی الله علیه وسلم)"یا "اللهم انی اسئلك بجاه صفیك ونبیك محمد(صلی الله علیه وسلم)" کہنا جائز ہے۔رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)کی ذات اقدس اوران کے بلند مرتبہ کو سامنے رکھتے ہوئے شیخ عزالدین بن سلام جیسے مجتہد النظر عالم کاڈگمگا جانا کوئی حیرت ناک بات نہیں متاخرین میں شوکانی(ف1250ھ) بھی "توسل بالنبی" کو جائز رکھتے ہیں۔رہا اولیاءاور صالحین کی ذات کو وسیلہ بنانا،تو یہ کسی سے منقول نہیں اور اگر بعض متاخرین [270] علماء نے اس کے جواز کی کوشش کی ہے،تو یہ ایک بے اصل اور مشتبہ بات کے رائج کرنے کی کوشش ہے۔اوراس سے خوامخواہ بدعات کادروازہ کھلتا ہے۔

یہاں صرف شیخ الاسلام کے مسلک کی توضیح مقصود ہے۔ کسی فقہی بحث کا یہ موقع نہیں۔مآخذ کے ضمن میں موضوع کی مختلف کتابوں کا ذکر آئے گا، التوسل والوسیلۃ کے علاوہ امام ابن تیمیہ کے فتاویٰ اور دوسری تصنیفات بھی ان بحثوں سے بھری پڑی ہیں۔ مختصر طور پر موافق و مخالف بحثوں کے خلاصہ کے لئے: جلاء العینین (صفحہ 269، 315) سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

(4)استعاذہ: توحید کا اقتضاء یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اسماء اور صفات کے سوا کسی مخلوق کے سوا کسی مخلوق پناہ بھی نہ ڈھونڈھی جائے۔اسی اصل کی بناپر امام اہل سنت احمد بن حنبل نے ''قرآن کلام الٰہی اور غیر مخلوق (کلام اللہ غیر مخلوق)ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا تھا:

اعوذ بکلمات اللہ التامات

یعنی اگر اللہ کا کلام مخلوق ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اللہ یعنی مخلوق کی پناہ نہ مانگتے۔ گویا اس وقت یہ بات مسلم تھی کہ مخلوق کے ساتھ استعاذہ (یعنی کسی مخلوق کی پناہ مانگنا) جائز نہیں ورنہ مخالفین ضرور تردید کرتے۔ خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کاہنوں کی مذمت کی ہے کہ وہ غیر اللہ (جن) کی پناہ مانگتے ہیں۔

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا (الجن)

اسی لئے شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے صاحب 'بردہ' کے اس شعر پر اعتراض کیا ہے:

یا اکرم الخلق مالی من الوذبه سواك عند حلول الحادث الجسم

کوئی شک نہیں کہ ''مالی من الوذبه سواك ''(میرے لئے تیرے سوا کوئی نہیں، جس کی پناہ لوں) صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہو سکتی ہے۔ شوکانی نے بھی (جو توسل کے معنی میں ذرا نرم ہیں) اس شعر پر اعتراض کیا ہے [271]۔

(5)الحلف بغیر اللہ: غیر اللہ کی قسم کھانا بھی توحید کی روح کے خلاف ہے۔ یہ کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں، بلکہ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، لیکن عوام بلکہ بعض خواص بھی اس آزار میں مبتلا ہیں ،اور تمام مسلم علاقوں میں انبیاء اور اولیاء کی قسمیں کھانے کا عام رواج ہے، اتنا عام کہ اگر آپ کسی کو منع کریں، تو ماننے کے بدلے اُلٹا آپ پر بد دینی یا کم از کم ''وہابیت'' کا الزام تو لگا ہی دے گا۔ حالانکہ ترمذی کی روایت (من حلف بغیر الله فقد اشرك) میں حلف بغیر اللہ کو شرک کہا گیا ہے۔اس سے زیادہ 'نہی' اور کیا ہو سکتی ہے ؟اسی اصل کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا:

لاینبغی لاحدان یدعوا اللہ الا بہ.وا کرہ ان یقول بمعاقد العزّمن عرشك أوبحق خلقك

توامام اعظم کے نزدیک اللہ کے سوا غیر اللہ کی قسم کھانایااس کی دہائی دیناقطعاً ممنوع ہے۔البتہ امام ابویوسف **بمعاقد العزّمن عرشك** جائزرکھتے ہیں،کہ عرش پر عزت کی جگہ ،کا مالک اللہ ہی ہے۔اور **قد العزّمن عرشك** سےاللہ تعالیٰ ہی مراد ہو سکتا ہے۔امام صاحب اس کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں ''بحق فلاں'' کہہ کر اللہ سے مانگنا توبہر حال سب کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے،جیسا کہ اوپر گزرچکا---دعاء غیر اللہ ،استغاثہ بغیر اللہ،التوسل بالانبیاء والصالحین ،استعاذۃ اور حلف بغیر اللہ ،یہ سب کی سب ایک قسم کی چیزیں ہیں۔ان میں سے ہر ایک اپنے اندر 'شرک' کے جراثیم رکھتی ہے،اور توحید کی روح کے یکسر خلاف ہے۔اس لئے یہ توہم پرستیاں دین خالص میں کبھی روا نہیں رکھی جاسکتیں۔محمد بن عبدالوہاب کا قصور صرف اس قدرہے کہ انہوں نے ان ''مکروہات'' سے سختی کے ساتھ روکا،اور کم از کم ایک خطہ میں عوام تک کواس کا پابند کر چھوڑا۔

(6)زیارۃ القبور: قبروں کی زیارت مشروع ہونے میں شک نہیں،بشرطیکہ 'زیارت' کے حدود سے تجاوز نہ کیاجائے،مسلمان کے لئے انبیاء،صالحین ،عام مسلمانوں ،بلکہ غیر مسلموں کی قبروں کی زیارت بھی جائز ہے،اُس کے لئے جو عبرت اور نصیحت حاصل کرناچاہے،اور مسلمانوں کی قبروں کی زیارت سنت ہے(جس کی ترغیب بھی دی گئی ہے)اُس کے لئے جو اہل قبر کے لئے دعاکرناچاہے۔

محمد بن عبدالوہاب اوران کے ماننے والے 'زیارت قبور' کے منکر نہیں،البتہ وہ ان 'بدعات' کے سخت مخالف ہیں،جو قبروں کے پاس روارکھی جاتی ہیں۔وہ ''قبروں سے مرادیں مانگنے والوں،دعاکرانے والوں اور شفاعت چاہنے والوں'' کوروکتے ہیں اورآج کل قبروں کی زیارت نہیں ہوتی بلکہ ''بدعت فروشی''کی دوکانیں گرم ہوتی ہیں۔صاحب قبرسے دعامانگنا،اس کے واسطہ سے دعامانگنا،یا قبرکے پاس بہ نیت تقرب الی اللہ کھڑے ہوکراپنے لئے دعامانگنا،ان میں سے کوئی چیز جائز نہیں۔اور موحدین انہیں چیزوں سے روکتے ہیں۔

''قبروں کومسجد بنانے'' سے حدیثوں میں بار بار منع کیاگیاہے۔اس باب میں بے شمار صحیح حدیثیں ہیں،اوراسی بناءپر محمد بن عبدالوہابؒ کے ماننے والوں نے قبوں کے گرانے میں کوئی پش وپیش نہیں کیا۔ایک چیزناروا ہے۔فرمان شریعت کے خلاف قبروں کو اوثان (بتوں)کی حیثیت دے دی گئی ہے۔یہ ایک 'منکر' ہے،اگرطاقت ہوتواس منکر کومٹانے میں دریغ نہیں ہوناچاہیئے۔

محمد بن عبدالوہاب کے جانشین پہلے فرماں روانہیں، جنہوں نے قبوں کے انہدام پر توجہ کی ہو، بلکہ امام شافعی نے کتاب الام میں ذکر کیا ہے کہ ''حکام قبروں کو ہدم کرتے تھے اور فقہاء ان پر اعتراض نہیں کرتے''،نووی نے شرح 'مسلم' میں بھی ان کا یہ قول نقل کیا ہے[272]۔

اسی طرح ابن حجر ہیثمی کی الزواجر میں بھی منقول ہے۔ابن حجر نے فقہاء کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

وتجب المبادرة لهدمها وهدم القباب التي على القبور اذا هي اضرّ من مسجد الضرار۔ الخ

(ان) قبروں کو اور ان قبوں کو جو قبروں پر (تعمیر کئے گئے) فوراً ہدم کر دینا چاہیئے۔اس لئے کہ یہ ''مسجد ضرار'' سے بھی زیادہ خطرناک ہیں[273]۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات آئینہ ہو گئی کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کسی نئے دین کی دعوت نہیں دیتے نہ انہوں نے کوئی نیا فقہی مذہب ہی ایجاد کیا ہے۔وہ خود امام احمد بن حنبلؒ (ف 241ھ) کے مذہب پر ہیں ان کی دعوت صرف کتاب وسنت کی دعوت ہے۔وہ حنفیوں سے صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ پکے حنفی ہو جائیں یہی مطالبہ ان کا شافعیوں سے ہے،آج امام شافعیؒ (ف 204ھ) کی قبر پر مصر میں جو کچھ کیا جاتا ہے کیا اسے وہ کسی حالت میں روا رکھ سکتے تھے؟ یہی حال دوسرے ائمہ کا ہے۔ان میں سے کوئی بدعات کا روادار نہیں تھا اور نہ ہو سکتا تھا، محمد بن عبدالوہاب کے پیرو مسلمانوں کو انہیں بدعتوں سے باز رکھنے کی دعوت دیتے ہیں اور جو بار بار فہمائش کے بعد بھی نہیں مانتا،اس سے سختی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ان کے اسی ''شدت فی العمل''، کو نہ جانے کن کن ''فقہی گالیوں'' سے تعبیر کیا گیا ہے؟اور اسی بنیاد پر محض قیاس آرائی سے کام لے کر بے بنیاد افترا پردازیاں بھی کی گئی ہیں۔اس مختصر سی کتاب میں سینکڑوں صفحوں کی گالیوں اور بے شمار ''بہتانوں'' کی فہرست پیش کرنا بہت دشوار ہے۔ پھر بھی آئندہ صفحات میں غلط بیانیوں کے کچھ نمونے دیئے جاتے ہیں۔

پانچواں باب

غلط بیانیاں اور افترا پردازیاں

وہابیت

سب سے بڑی غلط بیانی شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی دعوت کے متعلق یہ کی گئی کہ اسے ''وہابیت''کا نام دیا گیا۔اس طرح پر ارباب غرض نے یہ باور کرانا چاہا کہ اسلام سے الگ کوئی دین ہے۔انگریزوں، ترکوں اور مصریوں نے مل کر اسے ایسا ہوّا بنایا کہ اسلامی دنیا میں پچھلی دو صدیوں میں جتنی تحریکیں پیدا ہوئیں اور یورپی طاقتوں نے ان سے کوئی خطرہ محسوس کیا، جھٹ اس کا ڈنڈا نجد کی وہابیت سے ملا دیا۔ مغرب کی سنوسی تحریک، فقہ کی جزئیات میں نجدی دعوت سے بالکل الگ بلکہ متناقض ہے۔تاہم اسے بھی شیخ الاسلامؒ کی ہی کی دعوت کا شاخسانہ بنایا جاتا ہے اور صرف اس لیے کہ سنوسی تحریک اپنی جہادی سرگرمیوں کے باعث اٹلی کے لئے ایک عرصہ تک خطرہ بنی رہی، ہندوستان کی تحریک ''تجدید وامارت'' تو نجد سے اس طرح وابستہ کی گئی ہے کہ غیر تو غیر اپنے بھی دونوں کو ایک خیال کرنے لگے ہیں۔اصلی مآخذ (کتاب وسنت) کے ہونے میں شبہ نہیں لیکن طریق کار اور اصول دعوت میں نمایاں فرق ہے اور اصولی مماثلت کے باوجود اپنی جگہ پر یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ1242ھ/1831ء اور مولانا اسماعیل شہیدؒ(ش1246ھ) کی تحریک تجدید وجہاد پر نجدی دعوت کا بالکل اثر نہیں پڑا۔

بہر حال جہاں تک وہابیت کو ایک الگ مذہب اور گمراہ جماعت بنانے کی کوشش کی گئی ہے، یہ نام حد درجہ قابل اعتراض ہے ورنہ اس عام غلط بیانی اور بہتان تراشی سے قطع نظر دیکھا جائے تو اس نام میں کوئی مضائقہ بھی نہیں معلوم ہوتا، تحریک اصلاح وتجدید کے داعی محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی طرف اگر نسبت کی جاتی تو ان کے پیرؤوں کو 'محمدی' کہنا چاہیئے تھا اور ظاہر ہے کہ مخالفین کی غرض ''محمدی'' کہنے سے نہیں پوری ہو سکتی تھی، اس لیے وہ اس جماعت کی نسبت داعی تحریک کے والد ماجد شیخ عبدالوہابؒ کی طرف کرنے لگے اور اس طرح پر یہ نام (وہابی اور وہابیت) مشہور ہوا اور پھر یہ نسبت ایسی چل نکلی کہ کتنے مؤرخ اور تذکرہ نگاروں نے عبدالوہابؒ کے سر تجدید واصلاح کا سہرا باندھ دیا مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: برائجس کی کتاب(2/134) یہ صاحب[274] برائجس (BRYDGES) تو اپنے زعم باطل میں یہاں تک لکھ گئے کہ ''صاحب دعوت کے بیٹے محمد نابینا(ضریر) تھے'' (ص:134) غلط در غلط اسی کو کہتے ہیں، حالانکہ شیخ الاسلام کے بڑے بیٹے حسین بن محمد بن عبدالوہاب 1224ھ ضریر تھے۔ہندوستانی مجاہدین کے بڑے کرم فرما ہنٹر صاحب بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے ایک رسالہ کا ترجمہ کرتے ہوئے وہ مصنف کو بانی جماعت کا پوتا بتاتے ہیں[275]۔

بہر حال یہ ''دو مبصر'' اکیلے نہیں۔ایک جماعت اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ بادیہ عرب میں گھومنے والے یورپی سیاحوں کے پیش رو فی بور[276] نے بھی جماعت کا نام عبدالوہابؒ ہی بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ ''آج کل اس کے لڑکے محمدؒ جانشین ہیں''۔ یہ واضح رہے کہ نی بور 1764ء میں (یعنی شیخؒ کی وفات سے 28 برس پہلے) بلاد عرب میں موجود تھا، لیکن اس باب میں سب سے دلچسپ غلط فہمی عیسائی مبلغوں کے سر خیل پادری زویمر کو ہوئی ہے، عام شہرت کے مطابق وہ وہابی اور وہابیت کو الگ دین یا مذہب سمجھا، پھر اس نے امام ابن قیم (ف 751ھ) کے افکار وآراء بھی وہابیوں سے ملتے جلتے دیکھے، جھٹ اس نے یہ اعتراض کر دیا کہ دیکھو یہ وہابی ہیں، لیکن اپنے آپ؛ کو حنبلی کہتے ہیں [277]۔اس غریب کو یہ خبر نہیں کہ وہابیت کی اصطلاح تو ابن قیم کے چار پانچ سو برس بعد رائج ہوئی۔

گو ہمارے پاس اس کا قطعی ثبوت نہیں کہ پہلے پہل یہ نام کس نے رکھا؟ لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے، کہ یہ نام مخالفوں نے شیخ الاسلام کی زندگی ہی میں رکھ دیا تھا۔مارگولیوتھ[278] کا بھی یہی خیال ہے۔ گو وہ اس باب میں سند نہیں لیکن دوسرے قرینے بھی اس کی تائید[279] میں ہیں، شیخ الاسلام کے ایک معاصر (غالباً) ملا عمران بن رضوان (سنہ [280]) کے ایک قصیدے میں یہ 'لفظ' آیا ہے:

ان کان تابع احمد متوھبا فانا المقر بانني وھابي[281]

ایک مصری[282] معاصر کا بھی یہ خیال ہے کہ یہ نام یونانی مخالفوں نے ابتدائی لڑائیوں کے زمانے ہی میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔

شیخ الاسلام کے یوروپی معاصر بور[283] نے وہابیت کی اصطلاح استعمال نہیں کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت (1764ء) تک ''وہابیت'' کی اصطلاح رائج نہیں ہو سکی تھی البتہ وہ شیخ کی دعوت کو (New Religion) کہتا ہے، گو پھر آخر میں ''عبدالوہاب'' کے نئے مذہب کو ''محمدیت کی اصطلاح'' سے بھی تعبیر کرتا[284] ہے۔

شیخ الاسلام کے تھوڑا عرصہ بعد دوسرے دو سیاحوں (علی بیگ عباسی بادیا (1807ء) اور برک ہارٹ (1814ء) نے بھی نجدی تحریک اور دعوت سے بحث کی ہے۔ بادیا مصریوں کے قبضہ سے پہلے حجاز آیا تھا، افسوس کہ اس کا اصلی سفر نامہ دستیاب نہ ہو سکا جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے 'وہابی' کی اصطلاح استعمال کی ہے یا نہیں ہو گارتھ[285] نے جو اقتباسات دیئے ہیں۔ان سے صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ برک ہارٹ 1814ء/1229ھ میں محمد علی مصری کے قبضہ کے بعد حجاز آیا اور 1816ء میں اس نے ''وہابیوں'' سے متعلق یادداشت تیار کی جو بعد کو دو جلدوں میں NOTES ON THE BEDOUINS AND THE WAHHABYS کے نام سے شائع ہوئی 1831ء۔ اس نے ''وہابی'' کی اصطلاح بار بار استعمال کی ہے۔ کتاب مذکور کی

دوسری جلد کے بہت کم صفحے اس لفظ (وہابی) سے خالی ہوں گے۔اسی کے لگ بھگ عبدالرحمٰن جبرتی (ف1238ھ) نے اپنی تاریخ مرتب کی،ان کے ہاں بھی وہابی کی اصطلاح بہ کثرت [286] استعمال ہوتی ہے۔1218ھ کے حوادث میں لکھتے ہیں:

"وحضر صحبة الحاج کثیر من اهل مکة هروبامن الوهابی ولغط الناس فی خبر الوهابی واختلفوافیه"[287]۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ مصریوں کے حملہ حجاز کے وقت یہ اصطلاح عام ہوچکی تھی بعد کے لکھنے والوں نے اس جماعت کو ہمیشہ وہابی ہی کے نام سے یاد کیا۔ہم نے ابھی کہا ہے کہ صرف نام میں کوئی مضائقہ نہیں۔لیکن یہ نام (وہابی)اس طرح پر مشہور کیا گیا کہ یہ گویااسلام سے الگ کوئی مذہب ہے اور یہی وجہ شکایت ہے اوراسی لیے غلط بیانیوں کی فہرست میں ہم نے اس نام کو بہت اونچی جگہ دی ہے۔

سب سے پہلا مفتری

سب سے پہلے سلیمان بن محمد بن سحیم (ف1181ھ) نے شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں غلط باتیں منسوب کرناشروع کردی تھیں [288]۔اس نے دنیائے اسلام کے نام سے اپنی گشتی چٹھی میں حسب ذیل الزام لگائے ہیں:

جبیلہ میں زید بن خطاب کی قبر کاانہدام، قبر کے پاس ایک مسجد کا انہدام، دلائل الخیرات اور روض الریاحین کو نذرآتش کرنا، ابن فارض اورابن عربی کی تکفیر۔

سوزیداوران کے ساتھیوں کی قبروں کا پتہ ہی نہیں۔دلائل الخیرات اور روض الریاحین کے جلانے کی خبر بہتان ہے۔البتہ ان کتابوں کوپڑھنے سے شیخ نے ضرور منع کیا تھا۔ابن عربی،ابن فارض اوران جیسے متصوفین کی تکفیر شیخ سے منقول ہے۔

وقد کفر الشیخ ابن العربی وابن الفارض وامثالهما

دوسرے معاصراوران کی گالیاں

شیخ الاسلام کے بعضے معاصروں نے بھی ابن سحیم کا ہاتھ بٹایا، لیکن ان کی کتابوں میں گالیوں اور افتراپردازیوں کے سوا کچھ نہیں۔ان مخالفوں میں احمد بن علی بصری قبانی (1150ھ/1744ء)، محمد بن عبدالرحمن بن عفالق احسائی حنبلی (1170ھ/1756ء) عبداللہ بن عیسیٰ مویس (م ف 1175ھ اور ابن فیروز (ف 1216ھ/1801ء) زیادہ نام اور ہیں۔ان صاحبوں کے بعد دوسری صف میں عفیف الدین عبداللہ بن داؤد زبیری حنبلی (ف 1225ھ/1810ء) احمد عبداللہ الحداد باعلوی تریمی شافعی [289] کے نام آتے ہیں۔مآخذ اور لٹریچر کے ضمن میں ان کتابوں کا ذکر کیا جائے گا۔ابن غنام نے بھی ان میں سے اکثر کا ذکر کیا ہے [290]۔اور ابن فیروز کی ایک نظم کا جواب بھی دیا ہے۔اب رہی ان صاحبوں کی گالیاں، سو ان کے نقل کی ہمت نہیں۔پھر بھی ان کی غیرت اور متانت اخلاق کے اظہار کے لئے ایک اقتباس کی اجازت چاہتا ہوں، امید ہے اہل علم معاف رکھیں گے۔

عبداللہ بن داؤد زبیری (ف 1225ھ/1810ء) کی کتاب الصواعق والرعود [291] کے آغاز میں دو تفریظیں ہیں۔پہلی تفریظ محمد بن فیروز حنبلی (ف 1216ھ/1801ء) کی لکھی ہوئی ہے (مورخہ 18ء صفر 1210ھ)

اس تفریظ کے آغاز ہی میں حسب ذیل عبارت پر نظر پڑتی ہے، جسے دیکھ کر شاید شرم وحیا بھی پانی پانی ہو جائے۔ نقل کفر کفر نہ باشد، ایک بار ذرا جی کڑا کر کے ملاحظہ کر لیجئے:

"...بل لعل الشيخ [يعنى عبدالوهاب] غفل من مُوَقعة أُمه [يعنى محمد بن عبدالوهاب] فسبقه الشيطان اليها فكان ابا هذا الداره"

کیا لکھنؤ کی بھٹیار نیں اس سے زیادہ بھٹی کر سکتی ہیں؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔یہ تحریر 1210ھ کی ہے۔ابن غنام [292] 1211ھ کے حوادث میں، انہیں ابن فیروز کی ایک نظم کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

"قد وصل الينا من هاتيك الديار منظومة لابن فيروز ......متضمنة لاقبح العار"

جس سے پتا چلتا ہے کہ فحش گوئی ان صاحب کی سرشت میں داخل تھی۔

غلط بیانیوں کے نمونے

(الف)ادعاء نبوت: شیخ کی دعوت کے مخالفوں کو جب حرف رکھنے کا موقع نہیں ملتا تو وہ کہتے: ''کہ اصل میں یہ نبوت کا دعویٰ کرنا چاہتے تھے، لیکن اخفاء سے کام لیا''[293]۔

اسی الزام کو احمد زینی دحلان(1232ھ-1304ھ)اِن لفظوں میں دہراتے ہیں

''والظاهر من حال محمد بن بعدالوهاب انه يدعى النبوة الاانه ماقدر على اظهار التصريح بذلك''[294]

اور محمد بن عبدالوہاب کے حالات سے پتہ لگتا تھا کہ وہ نبوت کا دعویٰ رکھتے ہیں، لیکن اس کے صاف صاف اعلان کی جرأت نہ ہوئی۔

حیرت ہے فی بورنے بھی سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر کے لکھ دیا کہ ''عبدالوہاب رسولوں کو بڑاآدمی سمجھتا تھا''لیکن وہ الہام یا فرشتوں کے ذریعہ وحی کا قائل نہیں تھا[295]۔

اس سلسلے کا ایک اور شرمناک نمونہ ہمیں راونشا(Ravenshaw)کی اُس یادداشت میں ملتا ہے جو اس نے پٹنہ کے کلکٹر کی حیثیت سے مولانا احمد اللہ صادق پوری[296] کے مقدمے میں لکھ کر دی تھی:

''اس مصلح کا خیال تھا کہ کبھی انسان کو براہ راست اللہ کی طرف سے الہام نہیں ہوا، اور کوئی مقدس کتاب ایسی وجود میں نہیں آئی جسے الہامی(Divine) کہہ سکیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے ک عبدالوہاب(؟) کے خیال کے مطابق کوئی مذہب الہامی ہواہی نہیں، اور اگروہ 'محمدی' مذہب کو(Divine) کہتا ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے براہ راست آیا تھا بلکہ صرف اس کی کاملیت کی وجہ سے''۔

پھر مزید ارشاد ہوتا ہے:

''اصلاح یافتہ مسلمان (محمڈن) کی ان بدؤوں میں خوب پذیرائی ہوئی جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک برگزیدہ(Divine)آدمی تسلیم نہیں کیا، اور نہ وہ قرآن کو الہامی کتاب مانتے تھے''

1856ء میں ہمارے ضلع کے اس کلکٹر کی یہ یادداشت اسی قسم کی جہالتوں کے نمونوں سے بھری پڑی ہے۔مجاہدین ہند کے مشہور کرم فرما سر ولیم ولسن ہنٹر W. W. Hunter بھی اپنی کتاب میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

''بدؤوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی برگزیدہ (Divine) نہیں تسلیم کیا تھا اور نہ قرآن کو الہامی کتاب'' الخ

غالباً ان کا ماخذ مسٹر راونشا کی یہی یادداشت ہے، اور ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کا ماخذ بور کا سفر نامہ ہو کہ یورپ کو اس جماعت کے متعلق پہلی اطلاع اسی کے ذریعہ ملی۔

انکار حدیث

زمانہ کی بوالعجبی بھی دیدنی ہے، وہ شخص جس کا اوڑھنا بچھونا سنت رسول ہو، اس پر انکار حدیث کا الزام رکھا جاتا ہے۔اس بہتان تراشی کا سہرا ابھی 'مصباح الانام' کے مصنف احمد بن عبداللہ الحداد باعلوی کے سر ہے[297]۔اس سے بھی زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ اس بے سروپا بہتان کو ہمارے ملک کے ایک مشہور[298] اہل قلم (عبداللہ یوسف علی) نے اس بیسویں صدی میں پھر دہرایا ہے:

۔۔۔۔۔۔اور (کرامت علی) احادیث پر یقین رکھتے ہیں، جنہوں وہابیوں نے مسترد کر دیا تھا۔

''وہ قدیم اور صوفی عقائد کے حامی ہیں''[299]۔

یہ ہے ہمارے مترجم قرآن کی واقفیت ایک اسلامی جماعت کے متعلق اب آیئے ہم آپ کو عبرت اور تقابل کے لئے ایک متعصب پادری کا بیان سنائیں۔ھیوجز (Thomas Patric Hughes) وہابی اور پروٹسٹنٹ جماعتوں کا باہمی مقابلہ کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

''وہابیت کو بسا اوقات اسلام کا پروٹسٹنٹ فرقہ بتایا جاتا ہے۔۔۔۔۔اگرچہ بڑا فرق یہ ہے عیسائی پروتستانیت مقدس الہامی کتابوں کی اعلیٰ حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے روایتی تعلیمات کو مسترد کرنا بھی ضروری خیال کرتی ہے، اس کے برعکس وہابیت قرآن کے ساتھ حدیثوں پر بھی زور دیتی ہے''[300]۔

(ج) تکفیر وقتال مسلمین

شیخ الاسلام اوران کے ماننے والوں پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ تمام اہل قبلہ کی تکفیر کرتے ہیں اور مسلمانوں سے قتال جائز سمجھتے ہیں، یہ الزام مختلف وقتوں میں بار بار دہرایا گیا ہے۔خود شیخ الاسلام کی زندگی میں بھی یہ الزام رکھا گیا تھا، انہوں نے خود بھی اس کی صاف صاف تردید کی تھی، ملاحظہ ہو:

”واذا کنا لانکفر من عبدالصنم الذی علی قبہ عبدالقادر والصنم علی قبر احمد البدوی امثالھما فیکف نکفر من لم یُشرك بالله اولم یھاجر الینا ولم یکفر......سبحانك ھذا بھتان عظیم“

اور جب ہم ان لوگوں کی تکفیر نہیں کرتے جو جہالت اور عدم تنبیہ کے سبب سے ان بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو (شی) عبدالقادر اور (شیخ) احمد بدوی اور ان جیسے بزرگوں کی قبروں پر بنے ہوئے ہیں، تو پھر ہم ان لوگوں کی تکفیر کس طرح کر سکتے ہیں جنہوں نے شرک کا ارتکاب نہیں کیا، یا ہجرت کر کے ہمارے پاس نہیں آئے اور کسی کفر کے مرتکب نہیں ہوئے۔ سبحانک ھذا بہتان عظیم

لیکن ان تردیدوں کے باجود یہ الزام مختلف رنگ آمیزیوں کے ساتھ ساتھ بار بار دہرایا گیا ہے۔دو تین مثالیں پیش ہیں:

ابن عابدین شامی (ف1258ھ/1842ء) اپنے مشہور حاشیہ ردالمختار میں فرماتے ہیں:

”کماوقع فی زماننافی اتباع عبدالوھاب الذین خرجوامن نجدوتغلبواعلی الحرمین وکانوا ینتحلون مذھب الحنابلة لکنھم اعتقادھم مشرکون واستباحوا قتل اھل السنة وقتل علمائھم“ الخ

جیسا کہ ہمارے زمانے میں عبدالوہاب (؟) کا حال ہوا لیکن ان کا اعتقاد تھا کہ صرف یہی مسلمان ہیں، اور ان کے اعتقاد کے مخالف سب مشرک ہیں اور اسی بنیاد پر انہوں نے اہل سنت اور ان کے علماء کا قتل روا رکھا[301]۔

احمد زینی دحلان (ف1304ھ/1886ء) کو تو اس جماعت سے اللہ واسطے کا بیر ہے اس نے بار بار اس الزام کو دہرایا ہے[302]۔

ہمارے ملک کے نامور اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خان صاحب (ف 1307ھ/1889ء) بھی اس جماعت کے بارے میں کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے تھے، ان کی مختلف کتابوں[303] میں اس جماعت کے متعلق الجھے ہوئے بیانات ہیں، البتہ اتحاف النبلاء میں ان کا بیان ایک حد تک اچھا اور حقیقت سے قریب تر ہے پھر بھی غیر مشروط "تکفیر" کا الزام اس میں موجود[304] ہے اور تو اور یمن کے نامور عالم اور محقق قاضی محمد بن علی شوکانی (ف 1250ھ) کو بھی اس باب میں اہل نجد کے مسلک کی صحیح صحیح اطلاع نہیں مل سکی تھی، جس کے وہ خود شاکی ہیں:

"ولکنہم یرون ان من لم یکن داخلا تحت دولة صاحب النجد وممتثلالاوامرہ خارج عن الاسلام وتبلغ عنہم اشیاء اللہ اعلم بصحتہا"[305]

لیکن ان کا خیال ہے کہ جو امیر نجد کے دائرہ اطاعت سے باہر ہے وہ اسلام سے خارج ہے، ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سننے میں آتی ہیں۔ اللہ جانے کہاں تک صحیح ہیں؟

پھر آگے چل کر "نماز باجماعت ترک کرنے والوں سے قتال" کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن تارک صلوۃ کی تکفیر جائز رکھتے ہیں[306]

اہل نجد پر تکفیر اہل قبلہ کا الزام اگر مخالفوں نے رکھا تو اس کی ایک طرح پر اصلیت بھی ہے اور اس میں معمولی لکھے پڑھے لوگوں کے لئے التباس کی گنجائش ہے۔ ہم یہاں پر اہل نجد کی زبان میں ان کا مسلک بیان کر دیتے ہیں، جو کوئی نیا مسلک نہیں، بلکہ حنابلہ اور ظواہر کا مشہور مسلک ہے۔

شیخ الاسلام کے شاگرد، احمد بن ناصر بن عثمان معمری نجدی (ف 1225ھ) نے 1211ھ میں علمائے حرم شریف کے سامنے جو تین مسئلے پیش کئے تھے، ان میں سے دوسرے کا خلاصہ ان کی زبان میں یہ ہے:

"اما من قال لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ وھومقیم علیٰ شرکہ یدعوا الموتی ویسالہم قضاء الحاجات وتفریج الکربات فہذا کافر مشرک حلال الدم والمال وان قال لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ وصلی وصام وزعم انہ مسلم"

جو لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ کہنے کے بعد بھی شرک پر قائم ہے، مردوں سے دعائیں مانگتا اُن سے ضرورتوں کو پورا کرنے اور مصیبتوں کے دور کرنے کی درخواست کرتا ہے تو وہ کافر اور مشرک ہے، اس کا خون اور مال حلال

ہے۔اگرچہ وہ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے، نمازیں پڑھتا اور روزے رکھتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتا ہے۔

اسی رسالے میں ابن معمر نجدی نے سستی سے نماز ترک کرنے والوں سے بھی قتال کو جائز رکھا ہے۔اور زہری اور امام ابو حنیفہ کے علاوہ تمام ائمہ کا اجماع نقل کیا ہے[307]۔تفصیل میں پڑنے کی گنجائش نہیں، حنابلہ کا یہ مشہور مسلک ہے، اور اسی پر اہل نجد عامل ہیں، تارک صلوٰۃ کا کفران کے نزدیک محقق[308] ہے:

ومن لا يصل فهو لا شك كافر　　كما قاله المعصوم اكمل سيد

اور جو نماز نہیں پڑھتا، وہ بے شک کافر ہے　　جیسا کہ سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے

تارک صلوٰۃ کے بعد قبرپرستوں (عباد قبور) کا مسئلہ آتا ہے۔شیخ کے پیش رو اور ہم مشرب معاصر محمد بن اسماعیل الامیر یمنی (ف1182ھ) بُت پرست (وعباد اصنام) اور قبرپرستوں کے درمیان بالکل فرق نہیں کرتے[309]۔شوکانی نے ان کا رجوع نقل کیا ہے۔اور عبّاد قبور پر اس تشدد کی سخت مخالفت کی ہے[310]۔سلیمان بن سحمان نے اس "رجوع" کی پُرزور تردید کی ہے[311]۔اور یہی قرین قیاس ہے، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب بھی محمد بن اسماعیل الامیر کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں۔البتہ اتنا فرق ہے کہ شیخ الاسلام، اتمام حجت شرط قرار دیتے ہیں، اور اسی لئے تمام مسلمانوں کی تکفیر نہیں کرتے۔

ومن جملة هذه الاكاذيب ماذكره ......ان شيخ الاسلام محمد بن عبدالوهاب رحمة الله يسفك الدماء ويتجارى على قتل النفوس وتكفير الامة المحمدية في جميع الاقطار وهذا كله كذب"

انہی افتراپردازیوں میں یہ بھی ہے کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ خون بہاتے ہیں اور مال لوٹتے ہیں اور لوگوں کو قتل کی جسارت کرتے ہیں۔اور تمام دنیا کے مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔یہ سب سراسر جھوٹ ہے۔

اس عمومی تکفیر کی اہل نجد پرزور تردید کرتے ہیں۔لیکن اتمام حجت اور تبلیغ کے بعد تکفیر اور قتال کے قائل نظر آتے ہیں:

فلم یکفر رحمه الله الا عبّاد الاوثان من دُعاة الاولیاء والصالحین وغیرهم ممن اشرك بالله وجعل له اندادًا بعد اقامة الحجة بالقتال فحینئذ قاتلهم وسفك الدماءهم ونهب اموالهم ومعه الکتاب والسنة واجماع سلف الامة[312]۔

تو شیخ رحمہ اللہ نے صرف ان صنم پرستوں کی تکفیر کی جو اولیاءاور نیکوکار بندوں سے مرادیں مانگتے ہیں جنہوں نے حجت کے ثبوت اور طریق حق کی وضاحت کے بعد بھی شرک کاارتکاب اور اللہ کا شریک ٹھہرایا۔اور پھر انہوں نے قتال میں بھی پیش قدمی کی،تب شیخ نے ان سے قتال کیااور ان کا خون بہایااور ان کا مال لوٹا،اس حال میں کہ کتاب سنت واجماع،سب کی شہادتیں ان کی تائید میں ہیں۔

یہاں اتمام حجت کے علاوہ ایک دوسرا عذر بھی ہے۔اور وہ یہ کہ مخالفوں نے قتال کی ابتداء کی۔ایک دوسری جگہ شیخ کا یہ قول منقول ہے:

فجنس هولاء المشرکین وامثالهم ممن یعبد الاولیاء والصالحین نحکم بانهم مشرکون ونری کفرهم اذا قامت علیهم الحجة الرسالیة۔

تو یہ اور ان جیسے مشرک جو ولیوں اور نیکوکار بندوں کی پرستش کرتے ہیں،ان کے بارے میں ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ تبلیغی حجت قائم ہو جانے کے بعد ہم ان پر شرک کا حکم لگاتے ہیں اور ان کو کافر سمجھتے ہیں[313]۔

ان اقتباسات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شیخ اور ان کے پیرو تکفیر،اور قتال کے لئے تبلیغ اور اقامت حجت،شرط قرار دیتے ہیں،اسی لئے عمومی تکفیر کے الزام کی یہ پر زور تردید کرتے ہیں،البتہ قبرپرستی اور ظاہری مشرکانہ اعمال کو یہ صرف کفر عملی نہیں سمجھتے،جیسا کہ عام طور پر کفر عمل اور کفر اعتقاد کے درمیان فرق کیا جاتا ہے[314]۔

یہ توحید ربوبیت کو کافی نہیں سمجھتے،بلکہ توحید 'الوہیت'کو بھی اسلام کے لئے ضروری اور بنیادی شرط قرار دیتے ہیں۔اللہ کو صرف 'خالق'اور 'مدبر کائنات' سمجھنے سے نجات نہیں ہوسکتی۔'توحید ربوبیت' کے تو اہل جاہلیت بھی قائل تھے البتہ وہ 'الوہیت' میں شریک کرتے تھے،اور اسی لئے وہ ہر شجر،حجر کو جس کی وہ پرستش کرتے الٰہ ہی کے نام سے موسوم کرتے۔اس زمانے کے جاہلوں اور مشرکوں نے غیر اللہ کو الٰہ کہنے سے تو پرہیز کیا،لیکن الوہیت کے تمام لوازم (نذر،دعا،طواف،قربانی وغیرہ) غیر اللہ کے لئے بھی عام کردیئے۔اور اس کا نام توسل،یا استشفاع رکھ دیا تو نام رکھنے سے حقیقت نہیں بدل سکتی[315]۔

یہ ہے خلاصہ شیخ کے مسلک کا جماعت کی کتابوں میں اس مسئلے کی پوری پوری وضاحت کی گئی ہے۔ سلیمان بن سحمان کی تبرئہ الشیخین الامامین (صفحہ 215،82) تو اسی کے لئے وقف ہے۔ مآخذ کے ضمن میں دوسری کتابوں کا ذکر آتا ہے، تفصیل کے لئے ان کی طرف رجوع کرنا مناسب ہوگا۔ یہاں پر صرف ایک بات ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اہل نجد مسلمانان عالم کی عمومی تکفیر نہیں کرتے، بلکہ صرف ان لوگوں کی جو مشرکانہ اعمال میں گرفتار ہیں اور تبلیغ و دعوت کے بعد بھی اپنی گمراہی سے باز نہیں آتے، اور ایسے لوگوں سے قتال بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

شیخ نے اپنی مختلف کتابوں میں اس حقیقت کو بار بار دہرایا ہے۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قتال مانعین زکوۃ سے بار بار استدلال کیا ہے[316]۔

مندرجہ بالا اقوال و اقتباسات میں جہاں تردید ہے وہ اسی عمومی تکفیر کی تردید ہے۔ اور جہاں اس کا اعتراف ہے وہاں اتمام حجت اور تبلیغ کے بعد ہی مشرکانہ اعمال پر اصرار کرنے والوں سے متعلق ہے۔

اگر الزام عائد کیا جائے اور اس کا منشا بھی بتادیا جائے، تو انسان غور کر سکتا ہے، اور ممکن ہو تو غلط فہمی کے ازالے کی بھی کوشش کی جاسکتی ہے۔ لیکن خوا مخواہ کی بدگمانی اور بے بنیاد غلط بیانی پر تو صرف اظہار افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر انتہائی دکھ ہوا کہ اس دور میں ہمارے ملک کے بعض مشہور علماء شیخ محمد عبدالوہاب کے متعلق عجیب وغریب خیال رکھتے تھے۔ مولانا انور شاہ کشمیری (ف 1352ھ/1933ء) جیسے عالم کا شیخ کے متعلق یہ لکھنا:

> اما محمد بن عبد الوهاب النجدی فانه كان رجلا بليدا قليل العلم فكان يتسارع الى الحكم بالكفر۔
>
> اور محمد بن عبدالوہاب نجدی تو ایک کم علم اور کم فہم انسان تھا، اور اسی لئے کفر کا حکم لگانے میں اسے کوئی باک نہیں تھا[317]۔

توحد درجہ افسوس ناک اور تکلیف دہ ہے حیرت ہے کہ کتاب التوحید کے مصنف کو مولانا سید انور شاہ صاحب 'بلید' اور ''قلیل العلم'' کہنے کی جراءت کیسے کی؟

(د) عام غلط بیانی

شیخ اوران کے ماننے والوں کے متعلق طرح طرح کی بے بنیاد باتیں شروع ہی سے کہی جانے لگی تھیں۔ شیخ الاسلام کے صاحبزادے شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے اس رسالے میں بھی جوانہوں نے 1218ھ/1803ء میں اہل مکہ کے لئے لکھا تھا، اس قسم کی غلط بیانیوں کی تردید کی گئی ہے[318]۔

واما ما یکذب علینا سترا للحق ....بأنا نفسر القرآن برأینا ونأخذ من الحدیث ما وافق فهمنا ......وانا نضع من رتبة نبینا صلی الله علیه وسلم بقولنا: النبی رمة فی قبره وعصا احدنا انفع منه ولیس شفاعة وان زیارته غیر مندوبة ....وانا مجسمة وانا نکفر الناس علی الاطلاق .....فجمیع هذه الخرافات واشباهها ...كان جوابنا فی كل مسألة من ذلك سبحانك هذا بهتان عظیم (الهدیة السنیة ص46)

اور جو حق پوشی کی راہ سے ہمارے متعلق جھوٹ جھوٹ کہا جاتا ہے کہ ہم قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے ہیں اور حدیث نبوی سے وہی حصہ لیتے ہیں جو ہمارے فہم (اور ذوق) کے مناسب ہو، اور یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کے لئے النبی رمۃ فی قبرہ (نبی کریم قبر میں ایک بوسیدہ ہڈی سے زیادہ نہیں) اور عصا احدنا انفع منہ، (ہم میں سے کسی ایک کی چھڑی ان سے زیادہ نفع بخش ہے) جیسے (گستاخانہ) فقرے کہا کرتے ہیں، اور یہ کہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شفاعت کا حق نہیں ہوگا اور یہ کہ قبر اطہر کی زیارت مستحب نہیں ہے، اور یہ کہ ہم تجسیم کے قائل ہیں اور یہ کہ تمام لوگوں کی علی الاطلاق تکفیر کرتے ہیں، توان سب اور ان جیسی دوسری بے سروپا باتوں میں سے ہر ایک کے متعلق ہمارا جواب سبحانک ھذا بھتان عظیم ہے سوا کچھ نہیں ہے۔

(ھ) انہدام قبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مخالفوں نے ایک بے بنیاد الزام یہ بھی تراشا کہ سعود بن عبدالعزیز بن محمد بن سعود (1218ھ/1803ء – 1229ھ/1814ء) نے قبہ نبوی کو بھی منہدم کرا دیا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ یورپی مورخوں نے خوامخواہ اس بے سروپا افسانے کو مزے لے لے کر بیان کیا ہے۔ سٹارڈ (حاضر:1/264)، ہیوجز (ڈکشنری آف اسلام ص660)، زویمر (ص 195) بلنٹ (فیوچر آف اسلام: ص45)، مارگولیوتھ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنس اینڈ اتھکس:12/661) اوران کے علاوہ ایک جماعت ہے جس نے اس بے بنیاد الزام کو موقع بے موقع دہرانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ یہ بالکل بے بنیاد اور سرتاپا افتراء ہے۔ اس کی

تعمیر[319] کے متعلق ان کا جو کچھ بھی خیال ہو لیکن قبۃالرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بری نگاہ سے دیکھنے کی بھی انہوں نے کبھی جراءت نہ کی۔ عام قبوں کے انہدام اور زروجواہر کی تقسیم وہ خوشی خوشی ذکر کرتے ہیں۔ یہاں ان کے متعلق ازراہ الزام جو کچھ کہا جاتا ہے وہ خود اس کا اعتراف کرتے ہیں لیکن یہ الزام واقعی بہتان ہے اور قبۃالرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوءادب کی روایت یکسر بے بنیاد اور افترا ہے۔

براجُس (جو اہل نجد کے دور عروج میں بصرہ اور بغداد میں رہ چکا ہے) اس افترا کی تائید تو نہ کر سکا، لیکن اہل نجد کی نیت پر حملہ کرنے سے باز نہیں رہا، وہ لکھتا ہے:

''اس نے (سعود بن عبدالعزیز) قبہ شریف کے انہدام کا بھی ارادہ کیا[320] لیکن غالباً قبے کے استحکام یا منہدم کرنے والے آلات کی کمی کے باعث ایسا نہ کر سکا اور قبہ محفوظ رہ گیا''۔

ان براجُس صاحب کی شخصیت اور ان کے بیان کی اہمیت تو اگلے باب سے معلوم ہو گی۔ یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ یہ بصرہ 1784ء میں آچکا تھا، یعنی شیخ الاسلام کی زندگی ہی میں عرب علاقوں سے اس کا تعلق پیدا ہو گیا تھا، جو مختلف حیثیتوں میں ایک عرصہ تک قائم رہا۔

ایک واقف کار انگریز کی 'شہادت'

غلط بیانیوں اور افترا پردازیوں کا ایک انبار ہے۔ کہاں تک انہیں کھنگالا جائے۔ اب ہم اس گفتگو کو براجُس کے ایک بیان پر ختم کرتے ہیں، جس میں اس نے بعض غلط بیانیوں کی تردید کی ہے:

> ''باب عالی نے مشہور کیا کہ اُس نے (سعود بن عبدالعزیز) مدینہ منورہ کی زیارت سے لوگوں کو روک دیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں اس نے صرف روضہ (مطہرہ) کے سامنے مشرکانہ اعمال کے ارتکاب سے منع کیا ہے جیسا کہ دوسرے ولیوں کی قبروں پر بندش کر چکا ہے[321]۔

> ''بعض جاہل انہیں کافر سمجھتے ہیں، افواہوں پر ترکوں نے اعتماد کیا، اشراف مکہ نے اسے ہوا دی لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث پر پورے عامل ہیں۔ برک ہارٹ نے صحیح لکھا ہے ''سب غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا۔ اصل میں یہ اسلام کے اندر خالص تطہیر (Puritanism) کی تحریک تھی''

''ایک بے وقوف فرنچ نے 1808ء میں لکھا کہ یہ کوئی نیا مذہب ایجاد کر رہے ہیں۔ نیز وہ سعود کے ''خاص آدمی'' کی زبانی حج کی منسوخی کا بھی ذکر کرتا ہے۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ وہابی قرآن کی طرح حدیث کو بھی اصولی چیز (Endamental) مانتے ہیں۔ البتہ اولیاء اور انبیاء کو یہ انسان مانتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد سعود نے جو اعلان کیا تھا، وہ آج بالکل کتاب وسنت کے مطابق تسلیم کیا جاتا ہے۔ تمباکو نوشی مالکیہ کے ہاں ممنوع ہے، انہوں نے بھی ممنوع کیا''۔

''البتہ قہوہ کے امتناع کی خبر بالکل غلط ہے۔ اسے ترکوں نے پروپیگنڈے کے طور پر مشہور کیا جس بیوقوف فرنچ[322] نے حج کے تعطل کا ذکر کیا ہے، اُسے جاننا چاہیئے تھا کہ سعود نے صرف 'حج' کے بُرے مراسم کو روکا تھا۔ مکہ میں داخلہ کے بعد اس نے جو پہلا کام کیا وہ طواف وعمرہ کی ادائیگی تھی[323]۔۔۔۔۔۔۔''

ایک عجیب افتراء

سلیل بن رازق کی Imam and Syeda of Oman میں ایک بدوی شیخ کی زبانی یہ افسانہ نقل کیا گیا ہے کہ '' وہابیوں کے پاس قرآن مجید کا وہ حصہ بھی ہے جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مصحف سے حذف کر دیا تھا[324]''۔ الخ الخ

خیریت یہ ہے کہ مترجم نے خود اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے[325]۔

چھٹا باب

ماخذ اور لٹریچر

(1) تاریخی

(1) روضۃ الافکار والافہام لمرتاد حال الامام وغزوات ذوی الاسلام۔ مصنف حسین بن غنام احسائی (ف 1225ھ)

یہ کتاب شیخ کی سیرت پر سب سے زیادہ مُستند کتاب ہے۔ مصنف شیخ کے شاگرد اور واقعات کے عینی شاہد ہیں۔ کتاب دو جلدوں میں ہے پہلی جلد میں ذاتی حالات، دعوت اور تبلیغی رسالوں کا ذکر ہے بعض طویل رسالے پورے پورے اس میں نقل کر دیئے گئے ہیں۔ دوسری جلد جنگوں اور مختلف واقعات کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ ترتیب سنہ وار ہے 1160ھ سے شروع ہو کر 1212ھ پر کتاب ختم ہوتی ہے۔ مطبع مصطفویہ بمبئی میں چھپی تھی (1337ھ) لیکن اس وقت گویا ناپید ہے۔ بروکلمن کو بھی اسی مطبوعہ نسخے کا پتہ نہیں تھا۔ اس کا ایک نہایت اچھا قلمی نسخہ ندوۃ العلماء کے کتب خانے میں ہے۔ ہمیں مطبوعہ نسخہ شرف الدین واولادہ محمد علی روڈ بمبئی کی عنایت سے مستعار ملا جس کے ہم ان کے شکر گذار ہیں۔

(2) عنوان المجد فی تاریخ نجد: مصنفہ عثمان[326] بن بشر نجدی (ف1288ھ) مصنف نے شیخ کے فرزندوں اور سعود بن عبدالعزیز (1218ھ/1803ء– 1229ھ/1804ء) کا زمانہ پایا ہے۔ کتاب کا آغاز شیخ کی سیرت اور 1158ھ کے واقعات سے ہوتا ہے پہلی جلد 1236ھ کے واقعات پر ختم ہوتی ہے، دوسری جلد 1267ھ کے ھ واقعات پر ختم ہو جاتی ہے، مصنف نے شعبان 1270ھ میں کتاب کی تبییض سے فراغت حاصل کی۔

تفصیل اور واقعات کی تنقیح کے لحاظ سے اُسے ابن غنام کی کتاب پر ترجیح حاصل ہے۔۔۔۔۔۔۔ پہلے بغداد میں ناقص چھپی تھی (1238ھ) ہمارے سامنے مطبعہ سلفیہ مکہ مکرمہ کا طبع شدہ مکمل نسخہ ہے (1349ھ)

واقعات کی تدوین میں ہم نے زیادہ تر اعتماد انہیں دونوں کتابوں پر کیا ہے، شیخ کی دعوت اور آل سعود کی تاریخ پر یہ دونوں کتابیں اصل اور 'اُم' کا حکم رکھتی ہیں۔

(3) ان دو کتابوں کے علاوہ ایک تیسری کتاب مثیر الوجد فی معرفۃ انسان ملک نجد کا ذکر بھی آتا ہے، جو شاید ملوک نجد کی تاریخ میں اصل اور ماخذ کا کام دے سکے۔ مارد تمان[327] اور خیر الدین زرکلی[328] نے اس کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے مصنف رشید بن علی حنبلی۔ غالباً ابن بشر کے معاصر ہوں گے، افسوس کہ ہمیں یہ کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(4) عجائب الآثار فی التراجم والاخبار مصنفہ عبدالرحمٰن بن حسن جبرتی مصری (1167ھ/1754ء– 1237ھ/1822ء) اس کی ترتیب بھی سنہ وار ہے، 1100ھ کے حوادث سے شروع ہو کر 1236ھ کے حوادث پر ختم ہوتی ہے۔ محمد علی پاشا کے حملوں اور مصر و حجاز کی آویزش پر اس کی شہادت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ مصر اور اس کے متعلقات میں ہم نے جبرتی کے بیان کو ترجیح دی ہے۔ (مطبوعہ مصر 1297ھ چار جلدوں میں)

(5)خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام: مصنفہ احمد بن زینی دحلان مکی شافعی (1232ھ-1304ھ/1886ء)۔اس کتاب میں اشراف مکہ کی مکمل تاریخ کے کہ مکہ مکرمہ کے آخری دور کے حکام کی اتنی تفصیلی تاریخ مجھے اور کوئی نہیں ملی،اس لئے دحلان پر عدم اعتماد کے باوجود اشراف مکہ سے متعلق اس کے بیانات کو اہمیت دیناپڑی۔یہ کتاب 1300ھ میں تالیف ہوئی۔علامہ سیدرشید رضامرحوم نے الہدیۃالسنیۃ کے حاشیہ (ص2) میں لکھاہے کہ:

"یہ دعوت کے ظہور کے زمانے میں مکہ مکرمہ میں مفتی تھے اوراپنے آقایان ولی نعمت کے چشم وابرو کے اشارے پراس جماعت کے متعلق غلط باتیں مشہور کیا کرتے تھے"۔۔۔۔انہوں نے غلط بیانی اپنے یقین واعتقاد کی بناءپر کی ہو یاکسی کے اشارے پراس سے بحث نہیں۔البتہ یہ کہنا غلط ہے کہ "یہ دعوت کے ظہور کے زمانہ میں مفتی تھے۔1233ھ/1818ء میں درعیہ برباد ہوا،اوردعوت کا ظہور سردست ختم ہو گیاتھامفتی احمدابنی دحلان کے شباب میں مکہ مکرمہ میں شاید کسی نجدی کا گزر بھی نہ ہوتاہو۔

(6)فتاویٰ وافادات عبدالوہاب الخ(مخطوطہ فارسی)۔۔یہ ایک مختصرسا قلمی رسالہ ہے جس میں امیرعبدالعزیز بن سعود (1179ھ/1765ء– 1250ھ/1834ء)کے نام ایک مکتوب اور بلاغِ عام ہے،اورآخر میں فتح علی شاہ کا جواب اوردھمکی ہے(مورخہل1219ھ/1804ء) مخطوطہ مشرقی کتاب خانہ فہرست انگریزی مشروح ص1337)

(۷)البدرالطالع: محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی(1173ھ/1760ء– 1250ھ/1832ء) کی البدرالطالع میں گوآل سعود کے متعلق مختصر تراجم ہیں [329]، پھر بھی ان کی ایک قیمت ہے کہ شوکانی نے بڑی عمرپائی اور شیخ سے لے کرآل سعود کا عروج وزوال دونوں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(8)تاریخ نجد محمود شکری آلوسی(1273ھ/1857ء– 1342ھ- 1923ء) نجد کی مختصر تاریخ ہے،جس میں شیخ کی دعوت اورآل سعود کی تاریخ کا بھی تذکرہ ہے۔معلومات عام طور پر صحیح ہیں۔ابن غنام اورابن بشر ان کے مآخذ ہیں،شیخ اوران کے شاگردوں کی تصنیفات بھی اُن کے پیش نظر تھیں۔مطبوعۃ قاہرہ،1343ھ

(9)الرحلۃ الحجازیۃ: مصنف محمد لبیب بتنونی اس میں اشراف مکہ کی حکومت کا بیان مختصر اورمرتب ہے۔غالباًان کا زیادہ تراعتماد دحلان کی خلاصۃ الکلام پر رہاہے۔محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کی دعوت کا بھی ذکرہے لیکن صحت روایت کاالتزام نہیں(صفحہ 73-94)۔۔۔۔مطبوعۃ مصر1329ھ (طبع دوم)

(10)حاضر العالم الاسلامی(4[330]: ص 172-161)تاریخ نجد الحدیث کے عنوان سے امیر شکیب ارسلان نے شیخ اور آل سعود کے متعلق ایک الگ فصل اپنی کتاب میں دی ہے۔ان کا مآخذ زیادہ تر غیروں کی کتابیں ہیں،اس لئے غلطیوں سے خالی نہیں، پھر بھی غنیمت ہے۔اوراس کے پڑھنے سے ایک اجمالی خاکہ ذہن میں آجاتا ہے۔

(11)الزہراء(رجب 45ھ :7،3)محب الدین خطیب کا شیخ کی زندگی پر ایک مختصر اور جامع مقالہ ۔خطیب نے زیادہ تر ابن بشر اور ابن غنام سے اخذ کیا ہے،اس لئے بیانات مستند ہیں۔ایک آدھ جگہ مشیر الوجد کا بھی حوالہ ہے۔راقم نے کتاب کے پہلے باب میں اس مضمون سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔گو ان کے اصلی مآخذ بھی میرے سامنے تھے۔

(12)اثر الدعوۃ الوہابیہ فی جزیرۃ العرب: محمد حامد فقی کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں شیخ کی دعوت پر ہمدردانہ انداز میں بحث کی گئی ہے۔مصنف کے تعلقات علمائے نجد سے بھی گہرے ہیں،اس لئے ان کی معلومات مستند اور ایک حد تک (آفیشل) بھی کہی جاسکتی ہیں۔مگر افسوس کہ انہوں نے کہیں حوالہ نہیں دیا۔عرب[331] معاصروں نے اور بھی کتابیں لکھی ہیں، لیکن کسی نے تحقیق وتاریخ نگاری کا فرض ادا نہیں کیا۔(مطبوعہ مصر 1354ھ)طوالت کے خوف سے ہر ایک پر الگ الگ تبصرہ نہیں کیا جاسکا۔

(13)جزیرۃ العرب فی القرآن العشرین:مصنفہ حافظ وہبہ۔یہ ایک جامع کتاب ہے اوراس کے مصنف سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود موجودہ فرمانروائے نجد وحجاز کے معتمدعلیہ ہیں ۔کتاب اچھی اورپر معلومات ہے۔دعدوت (ص 347۔331)آل سعود (243،277) اور اخوان (ص 330،311)پر بھی تین الگ فصلیں ہیں غلطیاں بہت کم اور زیادہ تر سنین کی تطبیق کی ہیں۔محمد بن سعود کی وفات تاریخ 1765ء کی 1766ء دی ہے (ص 244) اسی طرح شیخ کی وفات 1791ء میں درج کی ہے(ص338) حالانکہ صحیح 1792ء ہے اور بھی معمولی فروگذاشتیں ہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے کتاب غنیمت ہے۔

(14)اتحاف النبلاء(فارسی)(صفحہ 413-416)نواب صدیق حسن خان صاحب(ف 1307ھ)نے اس کتاب میں بھی شیخ کا حال لکھا ہے۔اور ایک حد تک منصفانہ ہے۔(مطبع نظامی 1288ھ)اس کے علاوہ التاج المکلل، موائد العوائد وغیرہ میں بھی شیخ اور ان کی دعوت کا ذکر ہے۔

(15)ترجمان وہابیہ(اردو)اس رسالہ میں نواب صدیق حسن خاں صاحب نے جماعت کے متعلق عجب متضاد اور بے جوڑ باتیں کہی ہیں۔غالباًوہ اپنے وقت کے مخصوص حالات سے گھبرا گئے تھے۔اللہ ان کی مغفرت کرے۔(مطبوعہ امرت سر 1930ء)

(16)سلاطین نجد کا مذہب (معارف: نومبر 24ء)اس مختصر مقالے میں استاذ محترم مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے شیخ کی دعوت اورآل سعود کا مختصر اور دلنشین خاکہ پیش کیا ہے۔اس کا تمہیدی حصہ خاص طور پر دل[332]آویز ہے (جس کا ابتدائی ٹکڑا اس کتاب کا سرنامہ ہے)

(17)تاریخ نجد: مصنفہ حافظ اسلم صاحب جیراج پوری شیخ کی سیرت، دعوت اورآلِ سعود کی تاریخ پر ایک مختصر اور سیدھی سادی کتاب ہے، زیادہ تر ابن غنام اور ابن بشر کی کتابیں ان کا مآخذ رہی ہیں۔سادہ اور ہلکی پھلکی تاریخ کی حیثیت سے غنیمت ہے، گو غلطیوں سے خالی نہیں۔

(18)سلطان ابن سعود: سلطان ابن سعود کی سیرت سردار محمد صاحب حسنی بی۔اے نے لکھی ہے۔اس میں ایک باب شیخ کی دعوت (صفحہ 45،39) پر بھی ہے۔آلِ سعود اورآلِ رشید کی تاریخ بھی دی گئی ہے (صفحہ 45،70)ان کا سارا مدار انگریزی کتابوں پر معلوم ہوتا ہے۔عربی اور اسلامیات سے شاید ادنی لگاؤ بھی نہیں۔ان کی واقفیت کا عالم یہ ہےھ کہ مقرن کو مکرن اور مکران، مشاری کو مشعری اثنیان کو طوہنیان لکھتے ہیں (ص8)اسی طرح عیینہ کو عیونیہ الحساء کو الحصا (ص42) لکھا گیا ہے۔تاریخی استناد کا عالم یہ ہے کہ محمد بن سعود کا سال وفات 1764ء(1765ء/1179ھ) اور عبدالعزیز بن سعود کی شہادت کی تاریخ 1802(؟1803ء/1218ھ) بتاتے ہیں۔(صفحہ 44،43)سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ مصنف کے بیان کے مطابق امام احمد بن حنبل نے موطا امام احمد بن حنبل مرتب کی تھی (صفحہ 45)۔۔۔کوئی بتلاؤ ہم بتلائیں کیا؟

جس شخص کے علم کا یہ عالم ہو اُسے سلطان ابنِ سعود کی سیرت لکھنے کی کیا ضرورت آپڑی تھی؟ ہم نے یہاں تاریخی لٹریچر کے ضمن میں اس کتاب کا ذکر صرف عبرت کے لئے کیا ہے۔۔۔۔۔۔وہابیوں کے متعلق ان صاحب نے جو غلب بیانیاں کی ہیں (ص 3/262) ان کے ذکر کی شاید اب ضرورت بھی نہیں۔

(19)فی بور[333]کا سفر نامہ Travels through Arabia and other countries in the East یہ سب سے پہلا یورپی سیاح ہے جس نے نجد اور شیخ الاسلام کی دعوت پر اپنے سفر نامہ میں بحث کی ۔ گو اس کا بیان بہت مختصر ہے (جلد دوم صفحہ 131-136) پھر بھی اس لحاظ سے کہ یہ سب سے قدیم یورپی ماخذ ہے ، قابل قدر ہے۔فی بور اور اس کے رفقاء[334] 1761ء میں ڈنمارک سے روانہ ہوئے، اور 1762ء میں یمن پہنچے۔لیکن چند مہینوں کے اندر اس کے رفقائے سفر سب فوت ہوگئے۔لیکن چند مہینوں کے اندر اس کے رفقائے سفر سب فوت ہوگئے۔صرف فی بور زندہ واپس ہوا(1765ء)اس کا

سفر نامہ عرب اور خاص کر یمن کے جغرافی، معاشری اور اقتصادی حالات سے متعلق ایک اہم تاریخی اور جغرافی دستاویز ہے۔ اکثر مورخوں نے اس کے دقت نظر اور صحتِ بیان کی تعریف کی ہے[335]۔

فی بور خود نجد نہیں جا سکا تھا، اس لئے سنی سنائی باتوں پر اعتماد کی وجہ سے اس کا بیان فاش غلطیوں سے پاک نہیں رہ سکا ہے۔ اس کے بیان کی قیمت اس لئے بھی ہے کہ یہ شیخ کی زندگی میں بلادِ عرب پہنچا اور ایسے وقت کہ ابھی دعوت خوب پھیل بھی نہ سکی تھی۔ ریاض کی فتح 1187ھ/1773ء میں ہوئی اور اس سے پہلے شیخ کا حلقۂ اثر محدود تھا۔ ہمارے پیش نظر فی بور کے سفر نامہ کا انگریزی ترجمہ ہے، مترجم کا نام (Robert Heron) ہے (مطبوعہ ایڈنبرا: 1792ء)

(20) بادیا (Badia) جو علی بیگ عباسی کے نام سے 1807ء میں جدہ میں اترا اور مکہ کی زیارت کی۔ مدینہ منورہ جانے سے نجدی حکام نے روک دیا تھا۔ "یہ پہلا یورپی سیاح ہے جس نے وہابی نجد اور اس کے پایۂ تخت درعیہ کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچائیں۔ اس کے سفر نامے کا تاریخی حصہ اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اس حجاز میں مصریوں کی مداخلت سے پہلے وہابیوں حکومت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ ایک عینی شاہد کی معاصرانہ شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔ افسوس کہ اس کا سفر نامہ ہمیں دستیاب نہ ہو سکا۔ ہم نے جہاں کہیں بھی اس کی شہادت نقل کی ہے، ہوگارتھ[336] کے واسطہ سے

(21) برک ہارٹ کی کتاب (Notes on the Bedouins and the Wahhabya) جلد 2 صفحہ 95،349 یہ مغربی سیاح 1814ء میں حجاز پہنچا۔ جب محمد علی پاشا نجدیوں کو حجاز سے بے دخل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور 1816ء میں مصر واپس ہوا، جہاں وہ تھوڑے عرصے بعد فوت ہو گیا۔ اس نجد، درعیہ اور بلاد عارض کا مفصل اور محققانہ جغرافیہ دیا ہے، اس نے اپنے سفر نامے کی پہلی جلدوں Travels in Arabia میں مکہ معظمہ اور حج وغیرہ کی جو تفصیل کی ہے، وہ اپنی جگہ پر نہایت مستند ہے۔ مکہ مکرمہ کے نظام حکومت پر بھی اس کی بحث عالمانہ ہے[337]۔ رچرڈ برٹن، جس[338] نے 1850ء کے بعد مکہ و مدینہ کا سفر کیا، برک ہارٹ کا ثناخواں ہے اور انتہائی ادعائے تحقیق کے باوجود برک ہارٹ کے بیانات پر کوئی قابل ذکر اضافہ نہ کر سکا[339]۔ اس کے سفر نامہ کی پہلی دو جلدیں 1829ء میں چھپیں اور آخری دو جلدیں (Notes) 1831ء میں شائع ہوئیں۔ یہ چاروں جلدیں عرب اور اس کے جغرافیہ و متعلقات پر معلومات کا گنجینہ ہیں۔ ہمیں اس کتاب میں صرف (Notes on etc.) کی دوسری جلد سے بحث تھی۔ محمد علی مصری کے حملہ حجاز اور مصر و نجد کی لڑائیوں پر اس کے بیانات حد درجہ مستند اور عینی شاہد کا درجہ رکھتے ہیں۔

(22) براجّس Harford Jones Brydges کی کتاب A Brief History of the Wahhabya یہ شخص ایک برطانوی افسر کی حیثیت سے 1794ء تک وہیں رہا، درمیان میں کچھ وقفہ کے بعد پھر بغداد میں اس کی تعیناتی ہوئی جہاں 1797ء سے 1806ء تک اس کا قیام رہا۔ دونوں جگہوں میں یہ پولٹیکل ایجنٹ کی حیثیت سے تھااور سعود بن عبدالعزیز کے ساتھ اس کے تعلقات اچھے تھے۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ براجّس شیخ الاسلام کی زندگی ہی میں بلادِ عرب آگیا تھااور سعود بن عبدالعزیز کے اہم فتوحات کے زمانہ میں وہاں موجود تھا۔ اس لحاظ سے اس کی کتاب کی اہمیت اور تاریخی قیمت ہونا چاہیئے، مگر افسوس کہ اس میں دقت نظر نہیں جابجا برک ہارٹ کی حرف بحرف نقالی کرتا ہے جواُس کے بعد حجاز آیااور پہلے مرا۔ یہ کتاب 1834ء میں لندن سے شائع ہوئی، اور برک ہارٹ کی کتابیں 1829ء اور 1831ء میں نکل چکی تھیں۔ خود بھی اُسے برک ہارٹ کی خوشہ چینی کا اعتراف ہے۔ کہیں کہیں اس نے اضافہ بھی کیا ہے[340]، لیکن اہم واقعات حرف بحرف برک ہارٹ ہی لئے ہیں۔

(23) پالگریو (W. Gifford Palgrave) کا سفر نامہ (Narrative of a year's journey through central and Eastern Arabia) یہ ایک کیتھولک عیسائی اور شہری زندگی کا عادی اور طبعاً ایک آرام پسند شخص تھا۔ 3-1852ء میں اس نے عرب کی سیاحت کی۔ اُس نے حضری عربوں (حسا، قطیف وغیرہ کے باشندے) کی خوب تعریفیں کی ہیں۔ لیکن اہل بادیہ کی ہمدردی کے لئے اس کے پاس ایک لفظ نہیں۔ اس نے اہل نجد شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے ماننے والوں کی بڑی برائیاں کی ہیں، زویمر (حاشیہ 198) اور ہیوجس (صفحہ 50ب) کی رائے میں وہابیت کی برائی میں اس کی " کیتھولیت" کو بھی دخل تھا۔ زویمر کی رائے میں زیادہ سے زیادہ 3-1860ء کے واقعات میں اس کے بیان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، لیکن ہمارے خیال میں کسی مسئلہ کے متعلق صرف اس کے بیان پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ شیخ پر اس نے جو کچھ لکھا ہے خرافات کا مجموعہ ہے (صفحہ 38، 363) آل سعود کی تاریخ بھی (38، 87) اسماء اور تاریخوں کی فاش غلطیوں سے پُر ہے۔ ہیوجس نے خوب لکھا ہے کہ "اس کے بیانات دلچسپ لیکن ناقابل اعتماد ہیں[341]۔ زویمر کہتا ہے:

"ایک کیتھولک سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ تجدید اور سلفیت کی دعوت کا ذکر اچھے انداز میں کرے گا[342]۔ نفسِ اسلام کے متعلق اس نے جو ہرزہ سرائیاں کی ہیں وہ انتہائی رکیک اور یکسر ناقابل اعتنا ہیں۔۔۔ حد تو یہ ہے کہ وہ اپنے معاصروں کی نشان دہی بھی صحیح نہیں کرسکا۔ شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن عبدالوہاب اور ان کے بیٹے عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن کو عبدالرحمٰن بن عبداللہ کا بیٹا بتاتا ہے (ص: 379) اور مزید یہ کہ "عبداللہ بن عبدالوہاب (؟) درعیہ میں ابرہیم پاشا کے حکم سے قتل کردیئے گئے تھے"۔ طرہ یہ ہے کہ وہ ریاض میں شیخ عبدالرحمٰن سے ملا بھی تھا۔ اس کا سفر نامہ دو جلدوں میں چھپا ہے (1865ء)

(24)لیوس پلی کی---(A Political Mission to Najd)یہ شخص بوشہر میں برطانی ریزیڈنٹ تھا۔1865ءمیں فیصل بن ترکی (ف1865ء/1282ھ) سے خلیج فارس کے ساحلی مقامات کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے ریاض آیا۔ ہمیں اس کی کتاب نہ مل سکی ممکن ہے اس میں کچھ مواد ہو، ہیو جس نے اپنے مآخذ میں اس کی کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہوگارتھ [343] نے لیوس پلی کے متن پر کافی بحث کی ہے اور اس کے سفر کی جغرافیائی قیمت کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ لیکن اس کی تاریخی تحقیقات کا بالکل ذکر نہیں کیا۔

(25):بیجر(G. Percy Bedger)کی (Imams and Syeds of Oman)یہ کتاب اصل میں ایک عربی مخطوطہ (مصنفہ سلیل بن رزیق) کا ترجمہ ہے جس میں عمان کے امراء کی پوری تاریخ مفصل بیان کی گئی ہے۔(آغاز اسلام سے 1856ءتک) بیجر نے انگریزی ترجمے میں حواشی اور ایک مبسوط مقدمہ کا اضافہ کیا ہے، جس میں کتاب کے پورے مواد میں بحث ہے اور عمان کی تاریخ بھی1870ءتک مکمل کر دی گئی ہے۔

چونکہ آل سعود کی دعوت اور سیاسی عروج دونوں کا خلیج فارس اور جزیرہ نمائے عرب کے تمام ساحلی علاقوں سے گہرا تعلق رہا ہے۔ اس لئے ان کی تاریخ بھی جابجا زیر بحث آئی ہے۔ بیجر کے حاشیے عام طور پر پُر معلومات اور اچھے ہیں، البتہ نجد کے متعلق وہ پالگریو پر زیادہ اعتماد کرتا ہے۔ آلِ سعود کے متعلق چونکہ زیادہ تر معلومات سیاسی نزاعوں اور حملوں کی تفصیل سے متعلق ہیں اس لئے زیر نظر تالیف میں زیادہ فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا۔(مطبعہ لندن1871ء)

(26)ڈاوٹی (Daughty)پالگریو کے تیرہ برس بعد 1875ءمیں نجد آیا بدوؤں کی معاشرت کی تفصیل جغرافیائی اور لسانی تحقیقات کے لحاظ سے اس کے سفرنامے کی جو بھی قیمت ہو، اہل نجد کی تاریخ پر اس نے کوئی خاص مسالہ نہیں چھوڑا، سوائے اس پیش گوئی کے:

> ''وہابی حکومت موت کے قریب پہنچ گئی ہے۔ اور اب دوبارہ اس میں جان نہیں آسکتی۔۔۔ عام طور پر نجد میں یہی خیال ہے [344]''۔

واقعات اور مشاہدات نے اس خام خیالی کی تکذیب کر دی۔۔۔ اس کا سفرنامہ A Travels in Araia Desert دو جلدوں میں ہے(1886ءاور1921ء)

(27)لیڈی اینی بلنٹ(Anne Blunt)کا سفر نامہ A Pilgrimage to Najd مشہور سیاسی مدبر اور شاعر ولفرڈ اسکاون بلنٹ Wilfrid Scawn Blunt اور ان کی بیگم لیڈی بلنٹ (جو مشہور شاعر بائرن کی پوتی تھیں) نے غالباً اچھے گھوڑوں کی تلاش میں عرب اور نجد کی سیاحت کی تھی (1879ء)۔ لیڈی بلنٹ کے سفر نامے سے ہمارے موضوع کا تعلق نہیں ۔'دیباچہ' اور 'ضمیمہ' جو خود ولفرڈ بلنٹ نے لکھا ہے،ان میں نجد کے جغرافیہ (دیباچہ i-XXVIII)اور ''وہابیت کے عروج وزوال'' کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔(2/271،251) گو غلطیاں کافی ہیں، پھر بھی ایک ''خاکہ'''کی حد تک غنیمت ہے۔ کتاب میں جہاں کہیں بلنٹ کا حوالہ آیا ہے، یہی ضمیر مراد ہے۔ اصل سفر نامہ دو جلدوں میں چھپا ہے (لندن 1881ء)۔

ولفرڈ بلنٹ کی فیچر آف اسلام (صفحہ 46،42،106) میں بھی شیخ کی دعوت کا ذکر آیا ہے۔ اس مختصر سے بیان میں بھی متعدد غلطیوں اور غلط فہمیوں کے نمونے ملتے ہیں، جن کی طرف غلط بیانیوں کے ضمن میں اشارہ نہیں کیا جاسکا۔ اس کا اگر کہیں حوالہ آیا ہے، تو کتاب کی تصریح کے ساتھ 1882ء کا چھپا ہوا نسخہ ہمارے سامنے رہا ہے۔

(28)ہیوجس(Thomad P. Hughues)کی ڈکشنری آف اسلام[345](Dictionary of Islam)اس پروتستنت مشینری کا یہ مقالہ کتنے مسلمان عالموں کی تحریروں سے بہتر ہے جہاں تک دعوت کے منشاء کا تعلق ہے،اس نے سمجھنے میں غلطی نہ غلطی نہیں کی اور اس نے شیخ کی تعلیمات کا بہت اچھا خلاصہ دیا ہے۔ تاریخی فروگذاشتیں ہیں، سووہ صدقہ ہیں برائجس اور بلنٹ کا ۔۔۔اس کتاب میں جہاں کہیں ہیوجس (Hughes) کا حوالہ ہے یہی مقالہ مراد ہے۔ (نسخہ مطبوعہ لندن 1885ء)

(29)اسی ہیوجس کا دوسرا مقالہ(The Wahhabi Notes on Muhammadanism) میں (صفحہ 226-219)----اس میں عام عقائد وغیرہ کے علاوہ سلاطین آلِ سعود کی بھی ایک مکمل فہرست دی گئی ہے۔ (1875ء) تک اس مختصر مقالے میں ڈکشنری آف اسلام والے مقالے (Wahhabis) پر کچھ مفید اضافے بھی ہیں، خاص کر ہندوستانی مجاہدین کے متعلق جن پر گفتگو کا یہاں موقع نہیں۔ اس مقالے کا جہاں حوالہ آیا نوٹس کی تصریح کے ساتھ ۔۔۔۔(نسخہ مطبوعہ: لندن 1877ء)

(30)زویمر (Zwemer) کی(Arabia the cardle of Islam)زویمر نے اپنے تعصب کے باوجود شیخ کی دعوت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اس تحریک سے قبل عرب کی حالت کا بھی صحیح جائزہ لیا ہے (ص:3-192) اپنی کتاب کے اس باب میں اُس نے صرف تین تاریخی غلطیاں کی ہیں۔

(1- سنہ ولادت :1691ء۔2-سفر بغداد ۔3-ہدم قبہ رسول)لیکن استنتاج میں اس کا تعصب غالب رہا،ارشاد ہوتاہے:''یہ تحریک اسلام کی تجدید تھی، گو بالکل ناکامی (Disaster)پرختم ہوئی اور سیاسی طور پر ایک شاندار ڈھونگ ثابت ہوئی،ص 2۔191) (دوسرا ایڈیشن1902ء)

(31)ہوگارتھ(David Georage Hogarth)کی(The Penetration of Arabia)ہوگارتھ نے اس کتاب میں ان تمام یورپی سیاحوں کی کوششوں کا مفصل اور گہرا جائزہ لیاہے، جنہوں نے گذشتہ تین صدیوں میں بلادِ عرب کی سیاحت کی اور وہاں کے جغرافیہ ،تاریخ،اثریات، معاشرت،آداب ورسوم وغیرہ کے متعلق کوئی تحریری دستاویز یادگار چھوڑی۔اس سلسلے میں ان سیاحوں کے کارناموں پر پورا پورا تبصرہ ہواہے، جنہوں نے شیخ اوران کے جانشینوں کے ایام حکومت میں بلادِ حجاز کی سیاحت کی۔ہم نے ہوگارتھ کے مختلف بیانوں کا اصل سفر ناموں سے بارہا مقابلہ کیا، لیکن اس کے نقل اور تبصرے میں کہیں ادنی فروگذاشت نہیں پائی ،اور اس لئے اصل سفر ناموں کی عدم موجود گی میں اس کے خلاصہ اور تبصرے سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔(مطبوعہ لندن 1904ء)۔اس کتاب میں جہاں کہیں ہوگارتھ کا حوالہ ہے،یہی زیر نظر کتاب مراد ہے۔ہوگارتھ کی ایک دوسری مختصر کتاب(A History of Arabia)میں بھی اشرافِ مکہ (ص:93،82)اور وہابی اور مصری (ص99،113) پر دو باب ہیں ، مگر حیرت ہوتی ہے کہ یہاں وہ محمد بن سعود ،عبدالعزیز بن محمد بن سعود اور سعود بن عبدالعزیز کے درمیان ٹھیک ٹھیک فرق نہ کرسکا(ص103)

(32)فلبی(H. St. J. B. Philby)کی کتاب(Arabia)مطبوعہ لندن:1930ء۔فلبی نے اس کتاب میں شیخ کی دعوت سے لے کر موجودہ سلطان نجد عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن فیصل بن ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود(1900ء۔۔۔) تک ؟نجد کی پوری تاریخ لکھی ہے، شیخ کی سیرت اور دعوت کا حصہ یکسر ابنِ غنام اور ابن بشر سے ماخوذ ہے[346]۔کتاب ہر لحاظ سے مفید اور قیمتی معلومات کی حامل ہے۔اور ہم نے اس سے کافی فائدہ اٹھایاہے، لیکن اصل مآخذ کو سامنے رکھ کر۔۔۔۔۔اس کتاب کا اور دوسرا پہلو بھی ہے، مصنف کا مقصد یہ ہے کہ بلادِ عرب میں حکومت برطانیہ کو ایک ''عصائے پیری''کی ضرورت ہے ،اور اس کے لئے موجودہ فرماں روائے نجد زیادہ موزوں ہیں۔شریف حسین کی امداد اور ابن سعود سے بے اعتنائی پر اس نے وہائٹ ہال حکومت ہند اور حکومتِ بصرہ بغداد پر سخت سے سخت تنقیدیں کی ہیں، خلاصہ یہ کہ جزیرۃ العرب میں برطانوی ڈپلومیسی پر یہ کتاب کافی روشنی ڈالتی ہے، لیکن اس وقت ہمیں اس رخ سے سردست کوئی تعلق نہیں۔

(33)ماردتمان(Mordtmann)کے مقالے(ابن سعوداورابن الرشید(مندرجہ انسائیکلوپیڈیاآف اسلام)۔جرمن مستشرق ،ماردتمان کے یہ مقالے اختصار کے باوجود جامع اور بڑی حدتک صحیح ہیں،سنین اورتاریخوں کی تعیین کی کوشش قابل تحسین ہے۔اس سے پہلے تاریخوں کی ٹھیک ٹھیک تعیین اور ہجری اور عیسوی سنین کی تطبیق کا کسی نے التزام نہیں کیا،ہمیں کہیں کہیں اس سے اختلاف کرناپڑاہے۔لیکن ابن سعودوالے مقالے سے مدد بھی بہت ملی۔

(34)مارگولیوتھ(D. S. Margoliouth)کے دومقالے:

(1)وہابیہ:(WahhAbiyah) (انسائیکلوپیڈیاآف اسلام)

(2)وہابی:(Wahhabies) (انسائیکلوپیڈیاآف ریلیجنزاینڈاتھکس)

دونوں مقالے غلطیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔غلطیاں توہرکسی سے ہوتی ہیں،لیکن ان صاحب کی ادابڑی نرالی ہے۔جہل مرکب اور غلطیوں کاانبار اتنااور کہیں نہیں ملے گا۔۔۔اس کتاب میں جہاں صرف مارگولیوتھ کا حوالہ آیاہے،پہلے مقالے کی طرف اشارہ ہے۔

(35)راونشا(T. E. Ravenshaw)کی یادداشت(Memorandum) ۔۔۔گواس یادداشت کاتعلق مولانااحمداللہ صادق پوری (ف1298ء) کے مقدمے اور ہندوستانی مجاہدین کی تحریک تجدیدوجہادسے ہے ،بایں ہمہ اس میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اوران کی دعوت سے متعلق بھی خوب غلط بیانیاں کی گئی ہیں،جس کاایک نمونہ گذرچکا(ملاحظہ ہو:اس کتاب کا پانچواں باب)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ یادداشت پوری کی پوری کلکتہ گزٹ20ستمبر1865ءکے ضمیمے کی حیثیت سے چھپی ہے۔

(36)ولیم ولسن ہنٹر(W. W. Hunter)کی(The Indian Musalmans)مسلمانانِ ہند(مطبوعہ1871ء) [347]اس کتاب کا تعلق بھی ہندوستانی مجاہدین کی سرگرمیوں سے ہے چونکہ یہ حضرات ہندوستان کی تحریک تجدیدوامامت کو شیخ الاسلام ہی کی دعوت کاشاخسانہ بتاتے ہیں۔اس لئے خوامخواہ انہیں شیخ کی دعوت پر بھی گفتگو کرناپڑی ہے[348]۔اس سلسلہ میں ہنٹرصاحب نے بھی اپنی ناواقفیت کاخوب خوب ثبوت دیاہے[349]۔کچھ نمونے اوپر گذرچکے ہیں۔’’ان غلط بیانیوں‘‘میں اس کاماٰخذ زیادہ ترراونشاکی یادداشت رہی ہے،گویہ حوالہ نہیں دیتا۔

(37)(Abdre Servier) کی(Islam and psychology of the Musalnanns)(اصل فرنچ ترجمہ: لندن 1924ء)۔ان صاحب نے محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت کو جی بھر کر گالیاں دی ہیں۔اور یوں تو نفس اسلام ہی ان کے نزدیک ''انسانیت کی ہر ترقی کا دشمن'' ہے۔(صفحہ 264) پالگریوان کا مآخذ معلوم ہوتا ہے۔

(38) (Wilson Cash) کی(The Expansion of Islam) (مطبوعہ لندن 1928ء)ان صاحب کا خیال ہے کہ محمد بن عبدالوہابؒ عربی اسلام چاہتے تھے(ص 191)اس قسم کی غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی کمی نہیں۔۔۔ان دونوں کتابوں میں بھی شیخ کی دعوت کا ذکر ضمنی طور پر آیا ہے۔

(39)رچرڈ کوک(Richard Coke) کی(The Arab's Place in the sun) (صفحہ 161-170)دعوت پر ایک اچھا مختصر تبصرہ ہے۔غلطیاں بعض عام قسم کی ہیں ،اور بعض ناموں کی الٹ پھیر سے ہوئی ہیں ، سعود بن عبدالعزیز کے کارناموں کو یہ عبدالعزیز کی طرف منسوب کرتا ہے(صفحہ 163)اور عبداللہ بن سعود اور سعود بن عبدالعزیز کے درمیان بھی ٹھیک ٹھیک فرق نہیں کر پاتا۔(صفحہ 163)۔(33 سے 39تک جن کتابوں کا ذکر کیا گیا،ان کی حیثیت مآخذ کی نہیں بلکہ عام لٹریچر کی ہے۔یہ فہرست اور طویل ہو سکتی تھی، لیکن اختصار کے خیال سے اتنے ہی پر اکتفا کرنا پڑا،بعض کتابوں کے ضمنی حوالے اصل کتاب میں آگئے ہیں جیسے اسٹارڈ(Lothrop Stoddard)کی جدید دنیائے اسلام (The New World of Islam)وغیرہ۔

مذہبی

توحید اور انکارِ بدعات پر سینکڑوں ،ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہوں گی ،اوران کا استقصا مشکل بھی ہے۔خاص طور امام ابن تیمیہ (ف728ھ)اور ان کے شاگرد رشید امام ابن قیم (ف1751ھ) کی کتابیں ان مباحث سے بھری پڑی ہیں۔ہم یہاں صرف ان کتابوں کا ذکر کرتے ہیں، جن کے مطالعہ کا اس دوران ہمیں موقع ملا اور شیخ کی دعوت کے سمجھنے میں اُن سے مدد ملی:

(1)الباعث الحثیث علی انکار البدع والحوادث لابی عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل بن ابراہیم ابی شامۃ المغربی(ف665ھ)۔۔۔۔مطبوعہ مصر:1310ھ)

(2) تجرید التوحید المفید للشیخ تقی الدین احمد بن علی المقریزی (ف854ھ) مصر:1343ھ

(3) تطہیر الاعتقاد عن ادران الحاد لمحمد بن اسمٰعیل الامیر الیمنی الصنعانی (ف1182)۔ مصر1340ھ

(4) کتاب التوحید لمحمد بن عبدالوہاب (ف1206ھ)۔ مطبوعہ 1324ھ مع تعلیقات استاذ محترم ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی اور شیخ کی دوسری تصنیفیں اور رسالے

(5) الدررالنفید فی اخلاص کلمۃ التوحید لمحمد بن علی الشوکانی (ف1250ھ)۔(مصر:1343ھ)۔اس کا اردو ترجمہ بھی مولوی محمد علی صاحب قصوری ایم اے کے قلم سے چھپ گیا ہے۔(1924ء)

(6) التحف فی مذاہب السلف الشوکانی۔ مصر1310ھ

(7) مجموعۃ الہدیۃ السنیۃ والتحفۃ الوہابیۃ النجدیۃ: مرتبہ سلیمان بن سحمان نجدا۔ اس مجموعہ کے مرتب نجد کے مشہور علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ (ف1285ھ) اور شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن (ف1304) دونوں سے استفادہ کیا۔ چھیاسی سال کی عمر میں وفات پائی (1358ھ) بہ روایت شیخ عمران نجدی۔

اس مجموعے میں حسبِ ذیل رسالے ہیں:

(الف) الرسالۃ الدینیۃ فی معنی الالٰہیۃ (ص2803) للامیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود (ف1218ھ)

(ب) شیئٌ من سیرۃ الشیخ وتعالیمہ (ص28،40) للشیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن آل الشیخ (ف1304ھ)

(ج) الرسالۃ[350] الثالثۃ (ص41،55) للشیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب۔ یہ رسالہ 1218ھ میں اہل مکہ مکرمہ کی تعلیم کے لئے لکھا گیا جب سعود بن عبدالعزیز پہلی مرتبہ حرم میں فاتحانہ داخل ہوا۔

(د) الفواکہ العذاب فی الرد علی من لم یحکم السنۃ والکتاب (ص 55،90)۔ للشیخ احمد بن ناصر بن عثمان المعمری النجدی (ف1225ھ) یہ رسالہ 1211ھ میں تالیف ہوا، جب شیخ احمد بن ناصر امیر عبدالعزیز کی طرف سے حجاز بھیجے گئے اور جب 1211ھ میں علمائے حرم سے مناظرہ ہوا۔

(ھ)الرسالۃالخامسۃ(ص91،99)۔ للشیخ محمد بن عبداللطیف بن عبدالرحمٰن آل شیخ۔یہ رسالہ 1339ھ میں تالیف ہوا۔مصنف بقید حیات ہیں عمر اسی کے لگ بھگ ہوگی(بہ روایت شیخ عمران نجدی)۔ان رسالوں کا ترجمہ اُردو میں ہوگیا ہے(از مولوی اسمعیل صاحب غزنوی 27ء۔آخر میں کچھ قصیدے ہیں(ص101،112)

(8)فتح المجید شرح کتاب التوحید:تالیف الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ(طبع سوم: قاہرہ 1357ھ)

(9)جلاءالعینین فی محاکمۃالاحمدین: للشیخ نعمان خیرالدین الآلوسی(ف1317ھ)۔(بولاق:1298ھ)

یہ کتاب مجھے بہت مفید اور جامع معلوم ہوئی اور اس لئے میں نے اسے بار بار پڑھا۔علامہ سید رشید رضامرحوم(ف1353ھ)نے بھی اپنی خودنوشت سوانح حیات میں اس کی بہت تعریف کی ہے(ملاحظہ ہو: معارف:نومبر۔دسمبر1938ھ)

(10)''الانتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح''للنواب صدیق حسن خاں(ف1307ھ)۔بولاق:1298ھ علیٰ ھامش و جلاء العینین)

(11)تنبیہ ذوی الالباب السلیمۃ عن الوقوع فی الالفاظ المبتدعۃ الوخیمۃ: لسلیمان بن سحمان النجدی(ص1،80)

(12)تبرئۃ الشیخین الامامین من تزویر اہل الکذب والمین: لسلیمان بن سحمان(ص82،215)۔یہ دونوں رسالے ایک ساتھ چھپے ہیں(مصر:1342ھ)

(13)کتاب التوضیح عن توحید الخلاق فی جواب اہل العراق۔للشیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب(ش1233ھ)۔مصر1319ھ

(14)منہاج التقدیس والتاسیس فی کشف شبہات داؤد بن جرجیس: للشیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن آل شیخ(ف1304ھ)۔یہ صلح الاخوان کا جواب ہے۔بمبئی:1907ء

(15)صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان: للشیخ محمد بشیر السہسوانی(ف1325ھ)۔یہ کتاب عام طور پر مولانا محمد بشیر سہسوانی ہی کی طرف منسوب کی جاتی[351] ہے ہمارے پاس جو نسخہ ہے،اس پر مصنف کا نام عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم السندی درج

ہے۔غالباًیہ کسی مصلحت سے کیا گیا تھا۔(یہ وہی نسخہ ہے جو شیخ اسحاق بن عبدالرحمٰن بن حسن کے استعمال میں رہا ہے)(مطبع فاروقی دہلی1890ء)

اس کادوسراایڈیشن نہایت تصحیح واہتمام سے المنار پریس مصر میں چھپا ہے(1351ھ)اوراصل مصنف کی طرح نسبت کی گئی ہے۔آغاز میں علامہ سیدرشیدرضا(ف1353ھ)کامقدمہ اور تعارف ہے ھ۔

(16)البیان المبدی لشناعۃ القول المجدی:لسلیمان بن سحمان النجدی"صیانۃ الانسان" دحلان کے الدررالسنیۃ کاجواب ہے۔جواب الجواب "القول المجدی فی الرد علی عبداللہ بن عبدالرحمٰن السندی" کے نام سے شائع ہوا۔"البیان المہدی"،"القول المجدی"کی تردید میں ہے(امرتسر1897ھ)

(17)"الصواعق الالٰہیۃ فی الرد علی الوہابیۃ"،لسلیمان بن عبدالوہاب النجدی الحنبلی(ف1208ھ)۔یہ رسالہ شیخ الاسلام کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب کا لکھاہواہے۔اوپر گزرچکاہے کہ یہ بعد کوتائب ہوگئے تھے۔(1190ھ ابن غنام:2/108)،مخالف اس رسالہ کا تگوخوب ڈھول پیٹتےہیں لیکن رجوع کا ذکر نہیں کرتے۔کتاب کایہ نام غالباً بعد کو رکھاگیاہے،اس لئے کہ سلیمان بن عبدالوہاب نے یہ رسالہ 1167ھ کے لگ بھگ ایک خط کی صورت میں لکھ کراہل حریملا کے پاس بھیجاتھا،جس کاجواب بھی شیخ نے دیاتھا[352]۔اور1167ھ میں یہ نام (وہابیہ) قطعی طور پر رائج نہیں ہواتھا۔(مطبوعہ مصر:سنہ ندارد[353])۔اصل رسالہ تو مختصر ہے،لیکن اس میں کچھ ضمیمے بھی لگادیئے گئے ہیں۔اور یوسف دجوی وغیرہ کے لکھے ہوئے ہیں۔"یہ ضمیمے"اکثروبیشترابن سعود کے عروج کے بعد تالیف ہوئے ہیں۔

(18)تہکم المقلدین فی مدعی تجدیدالدین:لمحمد بن عبدالرحمٰن بن عفالق الاحسائی(تقریباً1170ھ)

(19)الفصل الخطاب فی ردضلالات بن عبدالوہاب:لاحمد القبانی البصری(تقریباً1157ھ)

(20)الصواعق والرعود:لعفیف الدین عبداللہ بن داؤدالزبیری الحنبلی(ف1225ھ)مخطوطہ مشرقی کتاب خانہ1238

(21)مصباح الانام وجلاءالظلام للسیداحمد عبداللہ الحداد باللوی(مخطوطہ مشرقی کتاب خانہ1158)

(22)صلح الاخوان من اہل الایمان وبیان الدین القیم فی تبرئہ ابن تیمیہ وابن قیم ولداؤد بن سلیمان بن جرجیس البغدادی (ف1299ھ)

اسی کی تردید میں شیخ عبداللطیف کی منہاج التقدیس لکھی گئی تھی(بمبئی1305ھ)آلوسی(ف1317ھ)نے بھی جلاء العینین(ص 315)میں مصنف ''صلح الاخوان''کی غلط فہمیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(23)الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ:السید احمد زینی دحلان(ف1304ھ)۔یہ چھوٹا رسالہ ہے،جو دحلان کی خلاصۃ الکلام میں بھی پورا پورا آگیا ہے(ص228،261)اس کے جواب میں مولانا بشیر سہسوانی نے صیانۃ الانسان لکھی اور پھر اس پر حضرمی نے القول المجدی تصنیف کی۔آخر میں سلیمان بن سحمان نے البیان المجدی لکھی آخر دور میں یعنی گذشتہ ساتھ ستر سالوں میں مفتی دحلان ہی کتابوں نے غلط بیانیوں کی زیادہ اشاعت کی ہے۔

(24)فتح المنان فی ترجیح الراجح وتزییف الزائف من صلح الاخوان لمحمد بن ناصر الحازمی النجدی(ف1283ھ)

یہ آخری کتاب بطور محاکمہ کے لکھی گئی ہے۔جیسا کہ کتاب کے نام اور اتحاف کے اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

[1] تطہیر الاعتقاد عن ادران الالحاد لمحمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی ص 10

[2] نجد کے عرار و خزامی کا ذکر کلامِ عرب میں کثرت سے آتا ہے۔محمود شکری آلوسی (1342ھ نے اپنی تاریخ نجد میں اس سلسلے کی منظومات بہ کثرت نقل کی ہیں ص : 8،19

[3] The New World Of Islam ص25-26

[4] حاضر العالم الاسلامی جلد 1 صفحہ 26

[5] 1904 میں یہ کتاب تالیف ہوئی

[6] Hogarth Penetration of Arabia

[7] نجد کی بدعات کا ذکر تمام تاریخوں میں آتا ہے۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:- (الف) روضۃ الافکار والافہام الامام وتعداد غزوات ذوی الاسلام تالیف شیخ حسین بن غنام (1225ھ) (ص:7-16)۔(ب) عنوان المجد فی تاریخ نجد ص 6 تالیف عثمان بن بشر النجدی (ف 1288ھ) یہ دو کتابیں تاریخ نجد پر اُمّ اور اصل کا حکم رکھتی ہیں)۔(ج) الهدایۃ السنیۃ والتحفۃ الوہابیہ النجدیۃ، مرتبہ سلیمان بن سحمان (ص:9،47) نیز تبرئہ الشیخین الامامین مؤلفہ سلیمان بن سحمان (ص : 163، 161) (د) Arabia (دی ماڈرن ورلڈ سیریز ص 4-5)، فلبی اور ابن سحمان کا ماخذ بھی ابنِ غُنام ہی کی کتاب ہے۔

[8] (فلبی: ص 7-6) : عرب کے مختلف حصوں اور خاص کر نجد کا جغرافیہ ذرا مشکل سے سمجھ میں آتا ہے۔ہمارے ہاں جیسی صوبہ اورف ضلع وار مرتب تقسیم ان کے ہاں نہیں ہے۔اور نہ موجودہ دور سے پہلے ملک میں کوئی قابل ذکر سیاسی وحدت تھی۔مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ نجد کے تین بڑے بڑے حصے ہیں :

شمال مغربی حصہ جس کا نام شمر ہے، اس کے مشہور شہر حائل القصر ہیں، (1) شمالی مشرقی حصہ جس کا نام القصیم ہے، اس کے مشہور مقامات عنیزہ اور بریدہ ہیں۔جنوبی حصہ جو العارض کہلاتا ہے، اس کا مشہور شہر ریاض ہے، جو آج سعودی حکومت کا پایۂ تخت ہے، عارض کو جبل یمامہ بھی کہتے ہیں،

اصل میں یہ ایک پہاڑی کا نام ہے، اور اس کے گرد ونواح کی زمین وادی حنیفہ اور یمامہ کہلاتی ہے، شیخ الاسلام کی جائے پیدائش عیینہ اور دعوت کا مرکز درعیہ دونوں اسی وادی میں واقعہ ہیں جو نجد کے قبل کی حیثیت رکھتے ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام: لفظ Arabia جلد 3 ص 893،6۔)

[9] عُیَیْنہ (بضم عین) میں (چشمہ کے معنی میں) کی تصغیر ہے۔اور اب اسے "بار الشیخ" بھی کہتے ہیں۔2: ابن غنام ص 30، عنوان المجد جلد 1 ص 138۔بعد کے لکھنے والوں میں احمد زینی دحلان (الدرر السنیہ ص 42، خلاصہ الکلام ص 229 نے 1111ھ اور امیر شکیب (حاضر جلد 4 صفحہ 161) نے 1116ھ تاریخ ولادت بتلائی ہے، جو غلط ہے اسی طرح Hugeg (ڈکشنری آف اسلام صفحہ 659) ولفرڈ بلنٹ (اے پلگریمیج ٹو نجد (ضمیمہ) صفحہ 251 ازویمر Arabia The Cradle of Islam وغیرہم نے تاریخ ولادت 1691ء لکھی ہے، جو یکسر غلط ہے۔ہوگارتھ (ص 73) نے بھی سالِ ولادت غلط (1696) دیا ہے اور انہیں ماخذوں کی پیروی میں اپنے بھی ٹھوکر کھاتے ہیں

[10] شیخ کا پورا نسب نامہ یہ ہے:-

محمد بن سلیمان بن علی بن محمد بن احمد بن راشد بن برید بن مشرف الخ

(ب) السحب الوابلہ ضرائح الحنابلۃ (مخطوطہ مشرقی کتاب خانہ پٹنہ) میں اس خاندان کے مندرجہ ذیل افراد کے حالات ملتے ہیں۔

1- سلیمان بن علی بن مشرف (صفحہ 103)

2- ابراہیم بن سلیمان بن علی (ص : 6-7)

3- عبد الوہاب بن سلیمان بن علی، سلیمان بن عبد الوہاب، عبد العزیز بن سلیمان (ف 1263ء ص : 2- 171)

4- عبد الوہاب بن عبد اللہ بن عبد الوہاب بن مشرف (ف۔1125ء ص :172)

[11] ص:103

[12] عنوان جلد 1 صفحہ 236

[13] ابن غنام : صفحہ 30

[14] یہ تقریبا 1135ھ کا واقعہ ہے

[15] عنوان صفحہ 7

[16] عنوان المجد:1/25، سلک الدرر: 4/34

[17] شیخ علی داغستانی اپنے عہد کے علمائے دمشق میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ شیخ محمد حیات سندھی سے روایتِ حدیث کی۔اور بیسیوں ان سے مستفید ہوئے۔1125ھ میں پیدا ہوئے، مدینہ منورہ تحصیل علم کو آئے اور ایک مدت وہاں قیام پذیر رہے۔1150ھ میں لوٹ گئے (سلک الدرر جلد3صفحہ 215) شیخ کے زمانۂ قیام میں مدینہ منورہ میں ان کی عمر بہت کم رہی ہو گی، اس لئے اُن سے شیخ کا مستفید ہونا قرین قیاس نہیں۔ معاصرین میں محب الدین خطیب (الزہراء: رجب 45ھ) اور محمد حامد فقی (اثر الدعوۃ الوہابیہ فی الاصلاح الدینی: ص47) نے ان کا ذکر کیا ہے۔

[18] ابن غنام اور ابن بشر نے محمد بن سلیمان کردی کی شاگردی کا ذکر نہیں کیا۔ صرف احمد زینی دحلان (الدرر السنیۃ:35، 42) نے شیخ کردی کی شاگردی کا ذکر کیا ہے اور بڑے زور وشور سے، دحلان کی اس کتاب اور خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام میں اس درجہ غلط بیانیاں بلکہ افتراپردازیاں ہیں کہ، اس غیر معتبر روایت پر بھی یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مزید یہ کہ سنین کی شہادت بالکل خلاف ہے۔ محمد بن سلیمان کردی 1194ھ میں سرسٹھ سال کی عمر پاکر فوت ہوئے۔(سلک الدرر:111،2،4) تو گویا ان کی ولادت 1027ھ کے لگ بھگ ہوئی ہو گی اس طرح پر شیخ کے زمانہ تحصیل میں یہ بھی بالکل نوعمر ہوں گے اور ان سے شیخ کا مستفید ہونا بالکل قرین قیاس نہیں۔

[19] عنوان المجد: صفحہ 8

[20] مار گولیوتھ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام 4،9،10) نے تو افتراپردازیوں کی انتہا کر دی ہے وہ کہتا ہے: "بغداد میں شادی کی جو دو ہزار دینار چھوڑ کر مری"۔۔۔۔۔۔ کردستان ہمدان قم اصفہان کی زیارت کی اور قیام کیا۔" اس کے علاوہ Brydges نے A brief History of Wahabby میں اور Hughes صفحہ 659، زویمر (صفحہ 192)، پالگریو (صفحہ 4-363) میں سے کسی نے سفر بغداد، کسی نے سفرِ دمشق اور کسی نے دونوں کا ذکر کیا ہے، لیکن واقعہ یہی ہے۔ کہ شیخ الاسلام کو بصرہ سے آگے جانے کا موقع نہ ملا، بغداد، شام، یا مصر کے سفر کا کوئی ثبوت نہیں۔

[21] عنوان المجد: صفحہ 8

[22] زُبیر: بصرہ سے قریب ایک قصبہ ہے جو حضرت زُبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے نام پر آباد ہے اُس کے باشندے اس بھی اتباع سنت میں ممتاز ہیں۔

[23] عنوان المجد: صفحہ 8

[24] روضۃ الافکار: صفحہ 36

[25] عثمانی حکومت کے دور میں انتظامی آسانی کے خیال سے ملک کی تقسیم ان چار حصوں میں کی جاتی تھی۔ ولایت (صوبہ) لواء (کمشنری) قضاء (ضلع) ناحیہ (تحصیل) (سب ڈویژن) عارض کا شمار ناحیہ میں تھا۔ آلوسی نے ناحیۃ العارض لکھا ہے، (صوبہ اور ضلع کی دیسی اصطلاحیں ہم نے مقابلہ کے لئے دی ہیں)

[26] عنوان المجد (صفحہ 9) میں بعض غلاموں کی شرارت کا ذکر ہے جو، شیخ کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے، دوسری کتابوں میں جہاں کہیں بھی اس کا ذکر ہے، غالباً ماخذ یہی ہے۔

[27] عنوان صفحہ 9

[28] عنوان المجد: صفحہ 9-10

[29] روضۃ الافکار: 200/1

[30] روضۃ الافکار: 3،2/2 عنوان المجد 100

[31] اہل نجد کی زبان میں مولوی اور فقیہ کو مطوع کہتے ہیں، جمع مطاعہ استعمال ہوتی ہے موحدین کی نئی منظم برادری 'اخوان' میں بھی مبلغوں کی جماعت 'مطاوعہ' کہلاتی ہے۔

[32] عنوان المجد: صفحہ 100

[33] روضۃ الافکار: 2

[34] ابن غنام ان سب واقعات کا مختصر ذکر کرتا ہے اور 1157ھ کے بعد حدود میں **کانت ھذہ الامور فی حدود سنۃ سبع وخمسین بعد المائۃ والالف الھجرۃ (2:14)** ابن بشر نے انتقال درعیہ کی تاریخ 1158ھ لکھی ہے (صفحہ 15) اور تفصیلات عنوان المجد ہی سے ماخوذ ہیں (1/ 12-11)۔

[35] یوں تو اس دعوت، اور پھر آگے چل کر جہاد و قتال کے سلسلہ میں امیر محمد بن سعود اور ان کے پورے گھرانے نے نمایاں کام کئے، لیکن ہمیں یہاں بحث صرف شیخ کی دعوت سے ہے، اور اس سلسلہ میں ثنیان بن سعود (ف 1186ھ) اور مشاری بن سعود (ف 1189ھ) زیادہ ممتاز ہیں۔ مشاری نے بھائی کی بڑی امداد کی، اور ان کے بیٹے حسن بن مشاری نے لڑائیوں میں شمشیر آبدار کے خوب جوہر دکھائے، ثنیان بن سعود زاہد اور عفیف النفس تھے، گو یا وہ بینائی سے محروم تھے، لیکن ان کی بصیرت بڑھی ہوئی تھی۔ اصل میں محمد بن سعود انہی کے مشورہ سے شیخ کی امداد پر کمربستہ ہوئے۔ (روضہ الافکار 105/2، 94، عنوان المجد: 9/2-10)۔

[36] عنوان المجد (ص: 13-15)

[37] عنوان المجد: ص 15) ریاض پر مکمل قبضہ ربیع الآخر 1187ھ کے اواخر میں اُس کے بعد ہوا۔ (جولائی 1773ھ)

[38] امیر محمد بن اسماعیل یمنی صنعانی اپنے وقت کے امام اور مجتہد مطلق کا رتبہ رکھتے تھے۔ ولادت شب جمعہ، 15 جمادی الآخر 1199ھ / 1687ء کو کحلان میں ہوئی، وفات کی تاریخ سہ شنبہ، 3 شعبان 1182ھ / 1769ء ہے ان کے مختصر توحیدی رسالہ تطہیر الاعتقاد عن ادران الالحاد کا حوالہ آچکا ہے، آگے بھی ذکر آئے گا، تصنیفات کے لئے ملاحظہ ہو بروکلمن (ذیل: 2/556) دیگر حالات کے لئے البدر الطالع (2:9-133) اور عنوان المجد (1: 6 -53)۔

[39] ابن غنام (56-1/8، 2/4)

[40] ابن غنام (108/2)

[41] Arabiaازفلبی(ص:13-25)

[42] ابن غنام:1/ 27-28،143،167

[43] ابن غنام (2/74) ابن بشر1/95۔ باقی اکثر مغربی اورمشرقی مورخوں نے تاریخ وفات میں غلطی کی ہے۔مثال کے لئے ملاحظہ ہو: بروکلمن(ذیل2/530)،مارگولیوتھ(انس اسلام4/1086)،لبیب بتنونی(الرحلۃ الحجازیۃ:87)

[44] روضۃ الافکار(ص:175)

[45] احمد زینی دحلان(ف1304ھ)کی الدرر السنیۃ(ص:46)ملاحظہ ہو

[46] عنوان المجد(1/93)

[47] عنوان المجد1/143

[48] ابن بشر شیخ عبداللہ بن محمد کی بہادری اور قتال کا ذکر کرتا ہے، لیکن شہادت کے بارے میں خاموش ہے۔ دحلان(ص:229) سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے قتل کا ذکر کرتا ہے، لیکن عبداللہ کے بارے میں خاموش ہے۔ابن بشر کا ایک دوسرا بیان عبداللہ بن شیخ الاسلام کے قتل کی تردید کرتا ہے۔وہ لکھتا ہے:"عبداللہ مذکور کے ایک بیٹے عبدالرحمٰن تھے،جوانہی کے ساتھ کم سنی میں مصر جلاوطن کر دیئے گئے تھے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت ازہر کے رداق حنابلہ میں مقیم ہیں،اوراُن کے پاس طلبہ آتے جاتے ہیں،اوران میں علمی ذوق ہے(جلد1ص93)

[49] عنوان المجد:170،176،209،210 / 1

[50] خلاصۃ الکلام صفحہ229۔

[51] شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ الاسلام نے یہ شرح مکمل کی،جیسا کہ انہوں نے فتح المجید کے دیباچہ میں تصریح کی ہے۔

[52] عنوان المجد:93،215 / 1

[53] ملاحظہ ہو:کچی فہرست Hand-listنمبر2625

[54] عنوان المجد(1/93)

[55] اساطین اربعہ، جن کا ذکراوپرآیا،اس ترتیب سے عزت وقدر کے مستحق سمجھے جاتے تھے:عبداللہ بن الشیخ، علی بن حسین بن الشیخ، عبدالرحمٰن بن حسن بن الشیخ، سلیمان بن عبداللہ بن الشیخ

[56] عنوان المجد22،20،65 /2

[57] عنوان المجد73،88،65 /2

[58] Narrative of a year's journey through central and Eastern Arabiaجلداول ص:379

[59] ہمارے پیش نظراس کا تازہ ایڈیشن ہے،جونہایت صحت واہتمام کے ساتھ مصر میں چھپا ہے۔

[60] عنوان المجد23،26 /2

[61] عنوان المجد208 /1

[62] عنوان المجد113،221 /1

[63] شیخ عمران بن محمد بن عمران،ساکن ریاض(نجد)۔

[64] عبداللہ بن حسن بن حسین بن علی بن محمد بن عبدالوہاب(روایت شیخ عمران)

[65] نجد کی سیاسی تاریخ ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہے۔ہم صرف ان گوشوں کواجاگر کررہے ہیں،جن کا شیخ کی سرگرمیوں سے خاص تعلق تھا۔نجداورآل سعود کی تفصیلی تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو۔

عنوان المجد (ابن بشر)۔

عجائب الآثار (جبرتی) جلد 3و4۔

تاریخ نجد (آلوسی) صفحہ 90-104

حاضر العالم الاسلامی، جلد 4 صفحہ 161-172 (امیر شکیب ارسلان)

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (مقالہ: ابن سعود)

Arabia از فلبی جو بہت مفصل اور کافی سے زیادہ ہے۔ امین ریحانی کی کتابیں بھی عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں مشہور اور مقبول ہیں، ماخذ کے سلسلے میں ان کے علاوہ اور دوسری کتابوں کا ذکر آئے گا۔

[66] الدرر السنیہ: ص 44

[67] عنوان المجد 1/23

[68] سعود بن عبدالعزیز بن محمد بن سعود کو 1218ھ/1803ء میں فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ کی زیارت نصیب ہوئی۔

[69] بعض لکھنے والے عبدالعزیز بن محمد بن سعود کو شیخ الاسلام کا نواسہ بتاتے ہیں (فلبی: ص 41-42)، ڈکشنری آف اسلام: (ص: 660)۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ عام طور پر مورخ لکھتے ہیں کہ امیر محمد بن سعود سے شیخ کی ایک صاحبزادی منسوب تھیں۔ لیکن شیخ الاسلام کی درعیہ میں اقامت 1157ھ میں ہوئی ہے اور یہ شادی اس کے بعد ہی ہوئی ہوگی۔ دوسری طرف ہمیں موثق ذرائع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ امیر عبدالعزیز 1160ھ میں سن شعور کو پہنچ چکے تھے اور شوکانی (البدر المطالع: 1/263) کے بیان کے مطابق سعود بن عبدالعزیز کی ولادت 1160ھ یا 11063ھ میں ہو چکی تھی۔ اس لئے شیخ الاسلام اور امیر سعود کے رشتہ مصاہرت کو مان بھی لیا جائے (ابن غنام اور ابن بشر دونوں میں سے کسی نے اس رشتہ کا ذکر نہیں کیا ہے) تو عبدالعزیز بن محمد بن سعود شیخ کے نواسے نہیں ہو سکتے۔ اس کے بالکل برعکس Brydges لکھتا ہے کہ خود عبدالوہاب (؟ابن عبدالوہاب) نے محمد بن سعود کی لڑکی سے شادی کی تھی (ص: 107) نیز وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ عبدالعزیز بن محمد بن سعود نے عبدالوہاب (؟ابن) کی لڑکی سے شادی کی جن کے بطن سے سعود بن عبدالعزیز پیدا ہوا۔ پتا نہیں صحیح کیا ہے؟

[70] 1179ھ/1765ء

[71] انگریز اور یورپی مورخ مکہ کے حاکم کو Grand Sherif اور خاندان کے دوسرے افراد کو صرف 'شریف' کہتے ہیں۔ عربی میں یوں تو "شریف" کا لفظ حسنی سادات کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے، مگر شریف مکہ کا لفظ مکہ کے حاکم ہی کے لئے بولا جاتا ہے اشراف کی تاریخ کے لئے دحلان کی کتاب خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام ملاحظہ کی جا سکتی ہے، گو زیادہ قابل اعتماد نہیں۔

محمد لبیب البتنونی کی الرحلۃ الحجازیۃ (ص: 73،81) میں بھی اشرافِ مکہ کی مختصر تاریخ دی گئی ہے Bract hart کی Travels in Arabia (1/405،444) میں بھی "مکہ کی حکومت" پر ایک پر از معلومات باب ہے، ہوگارتھ کی A History of Arabia میں بھی اشراف مکہ پر ایک باب ہے، مگر مختصر۔ ہماری تحریک کا تعلق جن اشراف سے رہا، ان کے نام اور سنین تولیت یہ ہیں:

مسعود بن سعید (1146ھ)

مساعد بن سعید (1165)

جعفر بن سعید (1172ھ)

مساعد بن سعید (1172ھ)

عبداللہ بن سعید (1184ھ)

احمد بن سعید (1184ھ)

عبداللہ بن حسن (1184ھ)

احمد بن سعید(1184ھ)

سرور بن مساعد(1186ھ)

عبدالمعین بن مساعد(1202ھ)

غالب بن مساعد(1202ھ)

یحییٰ بن سرور(1228ھ)الخ

72 روضۃ الافکار2/91

73 روضۃ الافکار91-92 / 2، محمد حامد فقی(ص75)نے یہ بھی لکھاہے کہ:''شیخ عبدالعزیزبن حصین کا اثر دیکھ کر شریف احمد بن سعید کے اقارب اس سے بگڑ گئے،اور سبھوں نے مل کر اسے امارت سے الگ کر دیا۔غالباً علماء سوء کا اس میں ہاتھ رہاہوگا۔''پتا نہیں ان کا ماخذ کیاہے؟

74 (1/59)

75 (ص:23-24)

76 عنوان المجد1/191

77 مزید حالات اور شاگردوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:عنوان المجد۔94،91،232،233 / 1

78 روضۃ الافکار:2/134

79 فلبی(ص:38)کے بیان سے ایسامترشح ہوتاہے کہ شریف سرور نے1186ھ-1202ھ نے ازخود اجازت دی تھی،حالانکہ ابن غنام کے مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر عبدالعزیز کی سلسلہ جنبانی پر یہ اجازت ملی تھی:**وقصدہ بذلك التشریف والاکرام واھدائه ......الرخصة لاھل الدین والاسلام فی اداء واجب الافتراض......الخ**

80 MORDTMANN ARABIA ص:38-39(مقالہ ابن سعود:انس اسلام)کے بیان کے مطابق سرور کی دی ہوئی اجازت غالب نے1202ھ میں چھین لی ۔عام طور پر مورخ لکھتے ہیں کہ اجازتیں عارضی رہیں اور اہل نجد پر حج کے سلسلہ میں امتناعی احکام جاری رہے،تاآنکہ1205ھ سے باضابطہ جنگ شروع ہوگئی۔(الرحلۃ الحجازیۃ: ص88)

81 روضۃ الافکار:162-163 / 2

82 عنوان المجد:1/11

83 مجموعۃ الہدیۃ السنیۃ:55،90

84 روضۃ الافکار:261،2/226

85 Arabia(ص:71-72)

86 عنوان المجد71-72

87 1312ھ میں غالب نے خاص طور پر دولت علیا کو وہابیوں کی''سرکوبی''کی طرف توجہ دلائی لیکن دولت علیا نے کسی سرگرمی کا اظہار نہیں کیا۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس سے پہلے سلیمان پاشا،بغداد کا حاکم،اہل نجد کے مقابلہ میں فوج کشی کرتاہوا نظر آتاہے۔اور اس کے بعد1213ھ میں تو خود دحلان کے بیان کے مطابق سلیمان کے نائب علی پاشا نے ایسی چڑھائی کی تھی کہ''اگر ان کی زندگی نہ باقی ہوتی تو وہابیوں کا یقینی خاتمہ ہوگیاتھا''(خلاصۃ الکلام:ص266-268)

88 1211ھ/1797ءاور1213ھ/1799ءتفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:عنوان المجد118،109،1/107،فلبی ص:68-70

89 عنوان المجد113،112،107،103،87،1/86،فلبی صفحہ53،51۔74،73،64۔

90 یہ معرکہ جو وقعۃ الخرمۃ کے نام سے مشہور ہے،شوال1212ھ(مارچ اور اپریل1798ء)میں پیش آیا۔غالب شکست کھا کر3ذی القعدۃ19اپریل1798ء کو مکہ واپس ہوا(خلاصہ الکلام:667)

---

91 خلاصۃالکلام صفحہ 667

92 عنوان المجد:1/120

93 خلاصۃالکلام صفحہ 258

94 عنوان المجد 1/130

95 خلاصہ الکلام صفحہ 268

96 عنوان المجد 1/121

97 فلبی ص:81

98 حاضر العالم الاسلامی 162-4/163

99 مقالہ ابن سعود مندرجہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

100 فلبی ص 81 مار دتمان کا مقالہ

101 عنوان المجد 121-1/122

102 حاضر العالم الاسلامی:4/163

103 فہرست مشروع انگریزی Catalogue Raisonne : 14/1337

104 Arabia صفحہ 90

105 عنوان المجد 1/122

106 اواخر 1207ھ/1803ء

107 عنوان المجد 1'2/122۔فلبی:83

108 ڈکشنری آف اسلام (ص:660) میں داخلہ مکہ کی تاریخ 27 اپریل دی گئی ہے، جو غلط ہے غالباً زویمر (ص:194) نے بھی اسی سے یہ غلطی نقل کی ہے۔

109 عنوان المجد 1/2/3/122

110 فلبی (ص:83)

111 ڈکشنری آف اسلام:660

112 Notes on Bedouins etc جلد 2 صفحہ 195۔نیز Brydge کی کتاب A Brief History of Wahabi

113 ج 149/2

114 الہدیۃ السنیۃ: ص 43

115 خلاصۃالاحکام ص:278

116 الہدیۃ السنیۃ: ص 41-45

117 خلاصۃالکلام ص:279

118 حاضر العالم الاسلامی 4/162، فلبی: ص 83

119 عام مؤرخ قاتل کو ایرانی شیعہ بتاتے ہیں (فلبی:84، حاضرۃ:4/163) لیکن ابن بشر کردی بتاتا ہے اور پھر ''قیل'' کے ساتھ 'شیعی' بھی کہتا ہے ''یہ قیل'' اس لئے کہ کرد شیعہ نہیں بلکہ کٹر سنی ہیں۔(۔۔۔۔واللہ اعلم لان الاکراد لیسوبأھل الرفض ولافی قلوبھم غل علی المسلمین **1/124**) ابن بشر اس قاتل کا نام عثمان بتاتا ہے، جو موصل کے پاس ایک قصبے عماریہ کا رہنے والا تھا۔

[120] ابن بشر 124-128

[121] البدر الطالع 5،2)

[122] صفحہ 26

[123] روضۃ الافکار، 1202ھ/1788ء 2/154، عنوان المجد 1/83

[124] ذی الحجہ 1218ھ/مارچ—اپریل 1804ء

[125] عنوان المجد 1/130، فلبی: 86-87

[126] ذی قعدہ 1219ھ/فروری 1805ء

[127] عنوان المجد 1/135 اسٹاڈرڈ (دی نیو ورلڈ آف اسلام صفحہ اور HUGHES (ڈکشنری آف اسلام: ص 660 وغیرہ نے قبۃ الرسول کے انہدام کا ذکر کیا جو یکسر غلط ہے (تفصیل غلط بیانیوں کے باب میں)

[128] اواخر 1220ھ/جنوری یا فروری 1802ء

[129] عنوان المجد 1/134-133، یہ قحط سالی ذی الحجہ 1219ھ سے ذی قعدہ 1220ھ تک رہی (خلاصۃ الکلام 285) نجد یمن پر بھی اس قحط کا اثر پڑا لیکن سب سے زیادہ تنگی مکہ مکرمہ میں محسوس ہوئی۔ جنگ اور محاصرہ کی وجہ سے باشندے یوں ہی چور تھے، قحط نے بالکل ادھ موا کر دیا۔ فلبی نے فتح مکہ کے ساتھ سلب و نہب کا بھی ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ احمد زینی دحلان نے حسب عادت ''وہابیوں'' کو بے شمار گالیاں دی ہیں، لیکن اس قتل و نہب کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ (خلاصۃ الکلام ص 292)

[130] برک ہارٹ 9، 2/198، برائج ص 33-34

[131] 1214ھ اور 1215ھ

[132] خلاصۃ الکلام ص 294

[133] A Pilgrimage to Najd 256/2

[134] عجائب الآثار 4/299

[135] خلاصۃ الکلام: ص 294

[136] عنوان: 1/138

[137] خلاصۃ الکلام: ص 294

[138] 1223ھ/1809ء عنوان 1/141

[139] عنوان: 1/181

[140] عجائب الآثار: 5-6 /4 (ملخص)

[141] صفحہ 147

[142] عنوان: 1/35

[143] عنوان: 1/149-148

[144] عنوان 1/146، فلبی ص: 92

[145] Arabia : The Cradle of Islam

[146] برائج: ص 35-44، نیز برک ہارٹ: ص 208

[147] 1226ھ/1811ء

148 محمد علی پاشا، مصر کے موجودہ شاہی خاندان کا مورث اعلیٰ تھا۔ غالباً یہ البانوی نسل کا تھا۔ گو اس کے جانشین ابراہیم پاشا کا یہ قول مشہور ہے، کہ "عربی زبان و تمدن نے ہمیں عرب بنا دیا" محمد علی کی ولادت 1182ھ/1768ء میں اور وفات 1265ھ/1849ء میں ہوئی۔

149 1226ھ/1811ء

150 برک ہارٹ: ص232

151 اواخر ذی قعدہ 1226ھ/دسمبر 1811ء بارد تمان نے مصریوں کی شکست کی تاریخ ذی قعدہ 1226ھ/23نومبر 1811ء دی ہے۔ برک ہارٹ ص229 اور برائج نے (ص51) نے پیش قدمی کی تاریخ جنوری 1812ء لکھی ہے۔

152 ذی قعد 1227ھ/نومبر 1812ء۔ عنوان: 1/158، فلبی ص: 94

153 محرم 1228ھ/جنوری 1813ء۔ عنوان: ص16

154 شعبان 1228ھ/اگست 1813ء عنوان: صفحہ 161

155 10 رمضان 1228ھ/6اگست 1813ء عنوان: ص162

156 فلبی (ص: 96) نے عثمان مضایفی کی گرفتاری اور قتل کے واقعہ کو مؤخر کر دیا ہے، احمد دحلان (296) اور ابن بشر (162) دونوں اس واقعہ کو محمد علی پاشا کی آمد حجاز سے پہلے ذکر کرتے ہیں۔ برک ہارٹ (ص: 247) اور برائج (ص61) کا بیان ہے کہ عثمان مضایفی کی گرفتاری پر پانچ ہزار ڈالر انعام رکھا گیا تھا یہ دونوں گرفتاری کی تاریخ ستمبر 1812ء بتاتے ہیں اور معرکۂ بسل کے بعد جس کا ذکر ابھی آتا ہے۔

157 خلاصۃ الکلام: 271-272

158 خلاصۃ الکلام: ص296 ملخص

159 14 شوال 1228ھ/10اکتوبر 1813ء: خلاصۃ: ص296

160 فلبی ص: 65 نے ورود جدہ کی تاریخ 28 اگست 1813ء دی ہے۔ اسی طرح مارد تمان نے اواخر اگست لکھا ہے، ابن بشر نے ص: 163 قدوم مکہ کی تاریخ صرف ذی قعدہ دی ہے۔ برک ہارٹ (ص: 281) اور برائج (ص: 63) ستمبر 1813ء لکھتے ہیں۔ ہم نے یہاں خلاصۃ الکلام پر اعتماد کیا ہے۔ فلبی کی تاریخی واقعات کی ترتیب لاگ نہیں کھاتی۔

161 اواخر رمضان 1231ھ/جولائی 1816ء عنوان: ص185، الرحلۃ الحجازیہ ص89، برک ہارٹ ص262

162 حجاز اس کے بعد ایک عرصہ تک مصر کے تابع رہا۔ اسی دوران محمد علی اور باب عالی کے درمیان ان بن ہوئی اور خونریز معرکے ہوئے محمد علی کا بیٹا شام پر بھی قابض ہو گیا۔ اس کے بعد جب سلطان عبدالحمید تخت نشین ہوا (1255ھ) تو حجاز براہ راست دولت علیہ کی حمایت میں آیا۔ (خلاصۃ الکلام ص: 308)

163 الرحلۃ الحجازیہ ص89

164 خلاصۃ الکلام ص294

165 اس عیاری کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد علی نے دعوت کے بہانے سے گورنر ہاؤس میں بلایا۔ اس کے آدمی چھپے ہوئے تھے۔ بیچارے کو نہتا اور بے مددگار پا کر گرفتار کر لیا۔ بزدل حجازی سر پیٹ کر رہ گئے۔

166 68-69

167 61-69

168 ص: 47

169 ص242

170 262،259

171 اواخر ذی الحجہ 1228ھ/دسمبر 1813ء: عنوان ص163-164

172 برک ہارٹ: ص:9/268، فلبی: ص96، دحلان ص:300

173 عنوان: ص164

174 عنوان المجد ص:176، مارد تمان 8 جمادی الاولی (27 اپریل 1811ء) تاریخ وفات بتاتا ہے، جسے صحیح ماننے میں ہمیں تامل ہے۔

175 1/156،176

176 صفحہ 80

177 صفحہ 170

178 ص 139

179 جمادی الاولی 1229ھ / مئی 1814ء

180 شوال 1229ھ - ستمبر۔ اکتوبر 1814ء

181 آغاز 1230ھ اواخر 1814ء

182 برک ہارٹ: 317-318

183 ایضاً ص 323 نیز برائج ص 92۔

184 3 صفر 1230ھ 15 جنوری 1815ء مارد تمان کا بیان ہے۔ ابن بشر نے تاریخ کی تعین نہیں کی جبرتی (4/218) کے فتح تربہ کی خبر مصر 9 ربیع الاول 1230 کو پہنچی ۔ برک ہارٹ نے مکہ مکرمہ سے محمد علی کی روانگی کی تاریخ 26 محرم 1230ھ (7 جنوری 1815ء) بتائی ہے۔

185 عنوان 1/181

186 جبرتی 4/220، برک ہارٹ ص 349 محمد علی کے قاہرہ پہنچنے کی تاریخ 25 جون 1815ء بتاتا ہے

187 عنوان صفحہ 183

188 برک ہارٹ، ابن بشر اور جبرتی جیسے مستند اور معاصر مورخ دار الخلافت کی حاضری کا بالکل ذکر نہیں کرتے۔ بلنٹ اور فلبی وغیرہ شد و مود کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں۔

189 برک ہارٹ 347، اواخر جون 1815ء

190 عنوان 1/183

191 فلبی ص 97

192 جبرتی 4/229

193 ایضاً

194 برک ہارٹ ص 113

195 جبرتی 4/229

196 خلاصۃ الکلام ص 38

197 ملاحظہ ہو ابن بشر (1/185) مارد تمان، فلبی ص 97، حاضر العالم الاسلامی 4/166

198 بلنٹ 2/258

199 7 ذی قعدہ 1231ھ / 29 ستمبر 1816ء جبرتی 4/264

200 برک ہارٹ ص 104

201 ابن بشر 1/185 آخر شوال 1231ھ تاریخ وفات بتاتا ہے ظاہر ہے کہ مصر اور مصریوں کے متعلق جبرتی کے بیان کو ترجیح ہو گی۔

[202] عنوان1/183

[203] عنوان1/185

[204] برک ہارٹ ص:252، برائج ص103

[205] ص352

[206] کہاجاتاہے کہ ابراہیم پاشامحمد علی کالڑکانہیں تھابلکہ محمد علی نے ابراہیم کی ماں سے نکاح کرکے اسے اپنابیٹابنالیاتھا۔(عنوان:1/185، فلبی98، ھوگارتھ ص101)

[207] اواخر1331ھ/نومبر1816ء۔

[208] وسط جمادی الآخرۃ1232ھ/2مئی1817ء

[209] محرم1233ھ/نومبر1817ء۔

[210] ابراہیم کے ساتھ اس فرنچ انجینئر کے علاوہ چارایطالی ڈاکٹر بھی تھےان کے نام یہ ہیں Scots, Gentile, Todeschini, Sooio ان میں Scots اس کاخاص طبیب تھا۔عسیرآور یمن کی مہموں میں بھی مصری فوج میں متعدد یورپی آفیسر تھے(ھوگارتھ13/123)برک ہارٹ، طوسون کی فوج کاایک انگریزافسر Thonas Keith اس کی بہادری کاذکر کرتاہے، یہ اسلام لے آیاتھااورابراہیم آغاکے نام سے موسوم تھا۔وہ یہاں تک کہتاہے خودعبداللہ بھی اس کی شجاعت کامداح ومعترف تھا۔

[211] 14ربیع الاول1223ھ22جنوری1818ء، بلنٹ2/260

[212] عنوان1/193

[213] 7ذی قعدہ1233ھ/8ستمبر1818ءعنوان1/176،ماردتمان نے سقوط درعیہ کی تاریخ6ستمبرف1818ءدی ہے۔

[214] 9ستمبر1818ءماردتمان، فلبی ص103

[215] جبرتی1/298، خلاصۃالکلام ص302

[216] عنوان1/209

[217] عنوان المجد94، 1/28

[218] عنوان المجد1/21

[219] ایضاً

[220] 1249ھ

[221] عنوان1/191

[222] 1236ھ خلاصۃالکلام:ص303

[223] ان واپس ہونے والوں میں نجد کے دومشہور عالم شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ الاسلام اوران کے صاحبزادے شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن بھی تھے، جن کا ذکراس کتاب کے پہلے باب میں آچکاہے۔ملاحظہ ہوص48-49

[224] عنوان المجد1/213،، تاریخ نجد(آلوسی)ص24-26)

[225] عنوان المجد1/213

[226] یہاں یہ ذکر کردینامناسب معلوم ہوتاہے کہ ساحل پرنجدی اثربڑھتے ہی برطانوی افسروں نے نجدیوں سے بھی خلاملاپیداکرنے کی کوشش کی تھی۔بصرہ کے برطانوی ریزیڈنٹ مینتسی Mansty نے1799ءمیں ریناند(Reinand) کوخاص اسی غرض سے درعیہ بھیجاتھا،اوراس وقت اسے عارضی کامیابی بھی ہوگئی تھی۔ہوگارتھ (حاشیہ ص104)

[227] فلبی ص103

[228] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہوگارتھ کی Penetration of Arabia ص104-111

[229] 2/268

[230] 425/2

[231] صفحہ 191

[232] بحوالہ فلبی (صفحہ 102)، فلبی (صفحہ 160) کو حیرت ہے کہ زویمر کا یہ ریمارک اس کی کتاب کے 1912ء ایڈیشن میں بھی اسی طرح قائم ہے حالانکہ موجودہ سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن فیصل بن ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود 1902ء میں ریاض پر قابض ہو چکا تھا۔ یہاں یہ ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ ہوگارتھ (ص:78) نے 1904ء میں اس تحریک کے پنپنے اور دوبارہ بڑھنے کی توقع ظاہر کی تھی گو ریاض پر دوبارہ قبضہ کے بعد یہ پیشین گوئی کوئی ایسی قابل تعریف بھی نہیں، البتہ زویمر کا جہل حیرت انگیز ہے۔

[233] ابوالبقاع صالح بن شریف رندی کا مشہور مرثیہ جس کا مطلع یہ ہے:

لکل شئ اذا ماتم نقصان فلا یُغرّ بطیب العیش انسان

طلیطلہ کا سقوط صفر 478ھ میں ہوا۔ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سقوط غرناطہ (792ھ) کا مرثیہ ہے مگر صحیح یہی ہے کہ یہ سقوط غرناطہ سے تین سو برس پہلے کہا گیا تھا (نفح الطیب جلد 3 صفحہ 594)

[234] زوال بغداد (656ھ) کا مرثیہ جس کا مشہور مطلع یہ ہے:

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

[235] نجد کی تاریخ کے تین دور ہو سکتے ہیں:

(1) درعیہ کی سربلندی سے لیکر 1234ھ/1819ء تک جب کہ مصریوں کے حملوں اور درعیہ کی تباہی کے باعث ان کی قوت تتر بتر ہو گئی۔

(2) ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود (1235ھ/1820ء تا 1249ھ/1834ء) اور فیصل بن ترکی (1249ھ/1834ء - 1254ھ/1838ء) اور 1259ھ 1843ء تا 1282ھ/1865ء) کی بازیابی کی کوششوں سے شروع ہو کر 1314ھ/1796ء تک جب کہ محمد بن عبداللہ آل الرشید (1285ھ/1869ء-1315ھ/1897ء) امیر حائل نے حائل اور ریاض نجد کی دونوں ریاستوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے مجتمع کر لیا۔

(3) تیسرا ازریں دور (فلبی کی زبان میں "سیکنڈ وہابی امپائر") 1320ھ/1902ء سے شروع ہوتا ہے، جب کہ موجودہ فرماں روا عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن فیصل بن ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود نے آل الرشید سے ریاض واپس لے لیا۔

[236] جبرتی 4/140

[237] جبرتی 4/140

[238] جبرتی 4/289

[239] جبرتی 4/306 جبرتی کے علاوہ ہوگارتھ (ص 101) نے بھی ابراہیم پاشا کی "سیرت" کا نہایت اچھا خاکہ کھینچا ہے۔

[240] برکہارٹ: 242، 352، 323، 318، 317

[241] ہوگارتھ ص 103

[242] ہوگارتھ صفحہ 202، 206

[243] ہوگارتھ: صفحہ 78

[244] ہوگارتھ صفحہ 79

[245] برکہارٹ: 120، 2/180

246 حاضر العالم الاسلامی (2/301) اصل عبارت یوں ہے: "وبالجملة فانه لم یکن یحفل بوفرة التصانیف، وانما کان مؤلف امم ومصنف ممالك"

247 بعض دوستوں نے فرمائش کی ہے کہ تصوف کی مخالفت عمومیت کے ساتھ نہ کی جائے بلکہ جیسے علماء سوء کے فقرے سے بے عمل علماء کی نشان دہی کی جاتی ہے۔اسی طرح صوفیاء سوء کی اصطلاح مکار اور بدعت نواز صوفیوں کے لئے استعمال کی جائے۔ ہمیں اس مشورے کے قبول کرنے میں تامل نہ ہوتا اگر ہمارے سامنے "تصوف" کی تباہ کاریاں نہ ہوتیں۔ باقی وہ جس "احسان اور اسلامی تزکیہ کی دعوت دیتے ہیں اس سے کس کافر کو اختلاف ہوگا؟ اختلاف اس غیر ماثور اصطلاح - تصوف - سے ہے جس کے پردے میں دن دھاڑے دجل وفریب کا بازار گرم رہتا ہے۔اور اس فتنہ عام سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ اس لباس ہی کو اتار کر پھینک دیا جائے۔

248 انڈیا آفس کی عربی فہرست (2/384 /2050ء) میں کتاب التوحید کے انگریزی ترجمہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔(جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی 1874ء) حالانکہ وہ ترجمہ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے اس رسالے کا ہے، جو انہوں نے 1218ھ میں فتح مکہ کے وقت تالیف کیا تھا۔ یہ شبہ بروکلمن کو بھی ہوا تھا (39:2) لیکن ذیل (532:2) میں اس نے تصحیح کر لی۔ لیکن تصحیح کے بعد بھی سنہ کی غلطی رہ گئی 1874ء کی جگہ 1840 چھپ گیا ہے، شیخ عبداللہ کے رسالہ کا ترجمہ او کنلی (O' Kinely) کے قلم سے ہے اور اُس نے عجیب وغریب غلطیاں کی ہیں کسی موقع پر اس کا ذکر آئے گا۔

249 تاریخ ادب عربی (جرمن): ذیل 531، 2/2

250 فہرست مشروح اورینٹل لائبریری، پٹنہ 18/2۔1477ء

251 فہرست مشروح: جلد 15 ص 1/1038

252 فہرست مشروح: جلد 15 ص 2/1038

253 جلد اول، فصل ثالث ورابع

254 مکہ اور مدینہ منورہ میں قبروں اور قبوں کی آمدنیوں پر ایک بڑی جماعت کا گزارا تھا۔ 1218ھ میں سعودی قبضہ کے بعد ان کی روزی بند ہوگئی، تو یہ دعوت کے مخالف بن گئے اور دور و نزدیک طرح طرح کی غلط بیانیاں کرنے لگے۔ جبرتی (3/255) صفر 1218ھ کے حوادث میں لکھتا ہے:

> "حاجیوں کے ساتھ اہل مکہ کی بڑی تعداد وہابیوں کے خوف سے بھاگ کر آئی ہے۔ لوگ "وہابی" کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں، بعض اسے "خارجی" اور کافر بتاتے ہیں۔ یہ رائے اہل مکہ اور ان کے پیرؤوں کی ہے۔ اور بعضے بے غرضی کی وجہ سے ان کی رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔" الخ

255 مذہب یہاں عربی مفہوم میں استعمال کر رہا ہوں 'هو ماذهب اليه احد الائمة' اردو میں مذہب دین کا مترادف ہو گیا ہے۔

256 الہدیۃ السنیۃ: ص 99

257 الہدیۃ السنیۃ: ص 53

258 مارگولیوتھ نے شیخ الاسلام اور امام احمد بن حنبلؒ کے اختلافات کی ایک فہرست دی ہے جو انتہائی جاہلانہ ہے۔ مثال کے طور پر وہ لکھتا ہے کہ نماز باجماعت شیخ کے نزدیک فرض (Obligatory) ہے اور امام کے ہاں نہیں۔ اس سے زیادہ جہل کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟ (مقالہ وہابیت: انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

259 بحوالہ تاریخ نجد للآلوسی ص 45۔46، صیانۃ الانسان: ص 471

260 الاعتقاد الرجیح (علی حاشیہ جلاء العینین۔ ص 203)

261 جلاء العینین: ص 212)

262 جلاء العینین ص 229

263 الہدیۃ السنیۃ: ص 99

264 ص 260-ص 161

265 جلاء العینین ص212

266 بحوالہ جلاء العینین ص313

267 جلاء العینین: ص284

268 مشکوٰۃ المصابیح: باب الاستسقاء

269 وہ بھی ''ان صح الحدیث فیہ'' کی شرط کے ساتھ (الدرر النضیف ص:6)

270 ہندوستان میں مولانا اسماعیل شہید (ش1246ھ)اور اکثر علمائے دیوبند اولیاء اور صالحین کی ذات سے توسل کو جائز کہتے ہیں۔ لیکن راقم کا ذہن اس کے قبول کرنے سے ابا کرتا ہے۔

271 الدر النضید فی اخلاص کلمہ التوحید ص29

272 الہدیۃ السنیۃ: حاشیہ علامہ سید رشید رضاؒ (ف1353ھ) ص49

273 الزواجر: ج1 ص163 مطبعہ وھبتہ، مصر

274 برا نجس کا ماخذ برک ہارٹ ہے، اس نے بھی عبدالوہابؒ ہی کو جماعت کا بانی قرار دیا ہے (2/96) یہ تو یہاں تک بڑھ گیا کہ بنو تمیم کی ایک شاخ WAHABIA الوہابی بھی اس نے وضع کر لی (ص:97)

275 جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (1874ء، ص68)

276 صفحہ 131-132

277 المقتطف جلد 27 ص295

278 مقالہ ''وہابیت''

279 داؤد بغدادی (ف1299ھ/1882ء) نے بھی صلح الاخوان میں یہی خیال ظاہر کیا ہے (بحوالہ Notes on Muhammadanism ص219)

280 افسوس کہ کوشش کے باوجود صحیح زمانہ کا پتہ نہیں چل سکا، بعض قرینے بتاتے ہیں کہ یہ شیخ کے معاصر نہیں تھے۔

281 الہدیۃ السنیۃ: ص110

282 محمد حامد الفقی ص5-6

283 سب سے پہلا یورپی سیاح جو ممالک عرب میں وارد ہوا (ملاحظہ ہو باب ' مآخذ '

284 جلد 2 صفحہ 5۔133

285 ص78-81

286 ملاحظہ ہو: ج3 ص253، 235، 253

287 عجائب الآثار 3/255

288 یہ چٹھی روضۃ الافکار (1/42-43) میں پوری نقل کی گئی ہے۔ نیز روضۃ الافکار 1/37

289 صحیح سال وفات معلوم نہ ہو سکا تیرھویں صدی ہجری میں موجود ہونا ثابت ہے۔

290 روضۃ الافکار: 1/2، 209/214

291 مخطوطہ مشرقی کتاب خانہ پٹنہ ص1238

292 2/214

293 مصباح الانام (مخطوط) ورق ص506

[294] الدرر السنیۃ: ص46

[295] سفر نامہ فی بور2/134

[296] مولانا احمد اللہ صادق پوری خاندان صادق پور پٹنہ کے ممتاز فرد اور حضرت سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے سے منسلک تھے۔آپ پر 1865ء/1218ھ میں سازش کا مقدمہ چلاہائی کوسٹ سے حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزاہوئی۔ تقریباً سترہ برس انڈمان میں رہ کر وہیں وفات پائی(ذی الحجہ 1298ھ/نومبر1881ء)تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک۔

[297] کتاب مذکور: ورق502

[298] یہ کچھ ان صاحب ہی پر موقوف نہیں ہمارے ملک کے عالم و تعلیم یافتہ سب ایسی ہی بے سروپا باتیں اس جماعت کے متعلق لکھتے رہے ہیں ان سب کے پیش رو ایک بزرگ مولوی فضل رسول بدایونی(1298ھ/1872ء)نے ایک کتاب "تصحیح المسائل در تردید فرقہ نجدیہ ارازل" لکھی ہے۔جو خرافات کا مجموعہ ہے۔ابھی ایک معاصر نے اپنی کتاب (آثار جمال الدین)میں بھی اس جماعت کے متعلق بے سروپا باتیں لکھ دی ہیں(7/636)یہ دو صفحوں کا پورا بیان غلطیوں اور غلط فہمیوں کا افسوس ناک مجموعہ ہے۔حد یہ ہے کہ ان کے ہاں سنوسیوں اور نجدی وہابیوں کے عقائد کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں(ص339)

[299] انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ: ص192

[300] ڈکشنری آف اسلام ص261

[301] ردالمختار3/309

[302] الدرر السنیۃ: ص45-46، خلاصۃ الکلام: ص222، 230، 229

[303] ترجمان وہابیہ، ہدایۃ السائل، موائد العوائد، التاج المکلل وغیرہ

[304] 413

[305] البدر الطالع2/5

[306] ایضاً

[307] الاجماع علی تارک الصلوٰۃ کسلاً بخلاف ابی حنیفہ والزھری۔ تفصیل کے لئے۔الہدیۃ السنیۃ ص69۔76

[308] الہدیۃ السنیۃ ص105

[309] تطہیر الاعتقاد ص12

[310] الدرر النفید ص40، 35

[311] تبرئۃ الشیخین الامامین: ص82، 83

[312] تبرئۃ الشیخین ص86

[313] الہدیۃ السنیۃ

[314] رسالہ اشاعت السنۃ(جلد6 نمبر5 نے ہندوستان کے اہل حدیث حضرات کا اختلاف اس مسلک سے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے: "اہل حدیث ہند، وہابیہ نجد سے تکفیر قتل میں مخالف ہیں(ص217)نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بھی موائد العوائد میں اس پر بہت زور دیا ہے، لیکن ان کا طرز بیان الجھا ہوا ہے، اور کرنل فندیک امریکی کی کتاب المرأۃ الوضیۃ فی الکرۃ الارضیۃ پر اعتماد کے باعث بہت سی غلط باتیں بھی لکھ گئے ہیں جن سے اہل نجد کا دامن پاک رہا ہے۔

[315] تبرئۃ الشیخین الامامین کے حاشیہ میں ایک جگہ پر(ص124)علامہ سید رشید رضا مرحوم نے ایک دلچسپ بات لکھی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اہل جاہلیت صحیح لغت کی واقفیت کی بناء پر اپنے ہر معبود(شجر ہو یا حجر)کو الٰہ ہی کہتے تھے، اس لئے کہ اس لفظ کے صحیح معنی یہی ہیں۔اس کے برعکس ہمارے زمانے کے مشرک لُغت اور زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ سمجھے کہ اسلام غیر اللہ کو الٰہ کہنے سے روکتا ہے، ورنہ عبادت کی تمام باتیں(مردوں سے مرادیں مانگنا، نذر، قربانی، قبروں کا طواف)ان کے نزدیک توحید کے منافی نہیں۔تو اس

طرح پر مشرکین جاہلیت نے صرف دین پر ظلم کیا اور اس زمانے کے مشرکوں نے دین اور زبان دونوں پر ظلم کیا(و کذلك قلت ان مشر کی المسلمین قد جنوا علی الدین واللغۃ العربۃ ومشرك الجاھلیۃ حافظوا علی لغتھم فسموا کل شیئ باسمہ)

316 اربع قواعد، روضۃ الافکار 1/137،36، 2/185

317 فیض الباری: 1/171

318 آلوسی نے تاریخ نجد (ص 9/45) میں اور نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اتحاف النبلا(6/414) میں رسالے کا یہ حصہ پورا پورا نقل کیا ہے۔

319 برائجس صاحب کے پیش رو اور پیر مغاں برک ہارٹ (جس کی کتاب سے وہ تقریباً حرف بحرف نقل کرتا ہے) نے صرف اس قدر لکھا تھا۔ ''اس مقبرے کے بڑے گنبد بھی گرادینے (Destroy) کوشش کی''۔ (ج2 ص 199) برائج نے غالباً اسے حاشیہ آرائی کی کوشش کی ہے لیکن برک ہارٹ کی یہ اطلاع یقینی غلط ہے آگے چل کر وہ خود لکھتا ہے کہ ''مقبرے کو گزند نہیں پہنچا''(110،109، 2/200)

320 ایضاً

321

322 Rousseau نے 1808ء میں مندرجہ ذیل دو کتابیں لکھیں، جس میں اُس نے وہابیوں پر حج کے روکنے کا بے بنیاد الزام رکھا ہے۔

A Memoire inb the Mines de orient (2) Pashalik de Baghdad (1)

323 برائجس: صفحہ 114-106، برک ہارٹ: 200، 2/215

324 صفحہ 251-253

325 حاشیہ 3/251

326 بروکلمن (ذیل: 2/531) نے ابن بشر (ف 1288ھ) اور عثمان بن قائد النجدی الحنبلی (ف 1097ھ) السحب والوابلہ ورق 88ب، صاحب، نجاۃ الخلف باعتقاد السلف کے درمیان خلط کر دیا ہے۔

327 مقالہ ابن سعود (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

328 الاعلام صفحہ 558، 368۔

329 البدر الطالع 1/263، 2/5

330 دوسرا ایڈیشن قاہرہ 1932ء

331 معاصروں میں امین ریحانی مشہور شامی عیسائی ادیب کی کتابوں کا بڑا غلغلہ ہے۔ ان کے انگریزی اور عربی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل چکے ہیں۔ ان کی ملوک العرب ہماری نظروں سے گزری معلوم ہوا کہ ایک اخبار نویس سے زیادہ ان کے معلومات کو وقعت نہیں دی جاسکتی۔ موجودہ جدید طرز کی انشا ہے دلچسپی ہے، مگر مواد نہیں، تحقیق تو سرے سے مفقود ہے۔

332 مولوی اسماعیل صاحب غزنوی نے الہدیۃ السنیۃ کا اردو ترجمہ کیا ہے (جس کا ذکر آگے آتا ہے) ترجمہ تو خیر جیسا بھی ہے اس سے بحث نہیں، لیکن انہوں نے غضب یہ کیا کہ حضرت سید صاحب مد ظلہ کی پوری تمہید اپنے دیباچہ میں اس نقل کر دی گویا انہیں کی لکھی ہوئی ہے۔ اللہ ان کی لغزش کو معاف کرے۔

333 امیر شکیب ارسلان نے پورا نام (Carresten Nie Buhr) لکھا ہے۔ (ملحق تاریخ ابن خلدون: ص 77)

334 نی بور کے رفیقوں میں ایک جرمن عالم ریکن بھی تھا۔ امیر شکیب ارسلان نے اس کے پوتے سے ملاقات کا ذکر کیا ہے (ایضاً)

335 ہوگارتھ: صفحہ 67-74) بلاد عرب کے یورپی سیاحوں پر ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب (لاہور) کا بھی ایک مختصر لیکن فاضلانہ مقالہ اور نٹیل کالج میگزین لاہور میں نکلا تھا (اورنٹیل کالج میگزین مئی 37ء: اگست 37ء دیار عرب کے مغربی سیاح) اور حقیقت میں سب سے پہلے اسی مقالے نے مغربی سیاحوں کے سفر ناموں کی طرف میری توجہ مبذول کرائی۔ اس کے بعد پروفیسر ہوگارتھ کی کتاب سے مزید روشنی ملی، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ فلبی ص 7،26 نے بھی نی بور کی اولیت اور اہمیت کا ذکر کیا ہے۔

336 (Penetration of Arabia) صفحہ: 82-78

[337] Travels etc. 1/405-444

[338] کیپٹن سر رچرڈ برٹن (R. F. Burton) جس نے برٹ ہارٹ کے تقریباً چالیس برس بعد حجاز کا سفر کیا لیکن اہل نجد کے متعلق کوئی اہم بات نہیں لکھی اس کے سفر نامے کا ایک خاص ایڈیشن دو جلدوں میں بڑے آب و تاب سے چھپا ہے (لندن: 1893ء)

[339] ہوگارتھ: 89-90

[340] برک ہارٹ کا موقع 1816ء کے وسط پر ختم ہو جاتا ہے۔ برانجس نے ایک اہم اضافہ یہ کیا ہے کہ اس نے محاصرہ درعیہ (1818ء) کی پوری تفصیل فرانسیسی مؤرخ (M Mengin) کی تاریخ History de Egypt Sons is Government de Mohammed Aly (مصر کی تاریخ محمد علی کے عہد حکومت میں) سے حرف بہ حرف نقل کر دی ہے (ص: 161،135)

[341] Notes etc. صفحہ 221

[342] حاشیہ ص 98

[343] صفحہ 308-310

[344] 2/245

[345] مقالہ وہابی (صفحہ 262،259)

[346] فلبی نے خود بھی دیباچہ (ص) میں لکھا ہے کہ "یہ پہلی کتاب جو اصل ماخذ کی بنیاد پر انگریزی میں مرتب ہوئی ہے" اور اس کا لکھنا صحیح ہے۔ شیخ کے متعلق غالباً کسی مغربی زبان میں اتنی صحیح معلومات یکجا نہیں مل سکتیں۔

[347] اب یہ کتاب دوبارہ چھپ گئی ہے۔ نظر ثانی کے وقت یہی نسخہ ہمارے سامنے ہے (کلکتہ 1945ء)

[348] اس سلسلہ میں ہم نے جتنی کتابوں اور مقالوں کا ذکر کیا ہے، اُن سب میں نجد اور ہندوستان کی تحریکوں کو ایک بتایا گیا ہے۔ بعض صرف "اصول" کی حد تک ایک بتاتے ہیں اور اکثر حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد و تجدید کو شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت کی شاخ بتاتے ہیں جو یکسر غلط ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک)۔

[349] خاص طور پر ملاحظہ ہو ص 11 اور اس سے آگے (نیا ایڈیشن)

[350] اس کا انگریزی ترجمہ او کنلی (J. O' Kinely) کے قلم سے جنرل ایشیاٹک سوسائٹی (1874ء ص 68-82) میں شائع ہوا۔ ترجمہ میں بعض مضحکہ انگیز غلطیاں بھی ہیں۔ جیسے الامہات الستہ حدیث کی چھ اہم کتابیں صحاح ستہ کا ترجمہ اس نے (Six mothers) کیا ہے۔ (ص 47) وغیرہ وغیرہ

[351] ملاحظہ ہو: تراجم علمائے حدیث ہند جلد اول ص 255

[352] روضہ الافکار: 2/52،23

[353] 28ء کے بعد چھپی ہے اتنا قطعی ہے۔